مسلسل اشاعت کے تینتالیس سال

بیاد شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ

دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کا علمی و دینی مجلہ

516
شعبان ۱۴۲۹ھ
اگست 2008

ماہنامہ الحق

مدیر مسئول مولانا سمیع الحق

○ موتمر المصنّفین کی عظیم علمی تاریخی پیشکش ○

شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق مدظلہ کے درسی افادات کا عظیم شاہکار

زین المحافل

شرح

الشمائل للترمذی

ضبط و ترتیب : مولانا اصلاح الدین حقانی

تحشیہ و تخریج : مولانا مفتی مختار اللہ حقانی

شمائل ترمذی کی دلنشین تشریح، خصائلِ نبوی پر عاشقانہ اور حکیمانہ گفتگو، علمی، ادبی اور فقہی تحقیقات، تفصیلی درسی افادات، اختلافی مسائل میں اعتدال اور قولِ فیصل، بعض معرکۃ الآراء مباحث پر فقیہانہ کلام، مستند حوالہ جات اور تحقیقی تعلیقات، نقدِ احادیث کے نادر مباحث کا ذخیرہ، حالاتِ حاضرہ پر انطباق اور سیر حاصل تبصرے، بعض علمی اشکالات کے محققانہ جوابات، راویانِ حدیث کے بقدرِ ضرورت مستند تذکرے۔

الغرض عشقِ رسولؐ کے ولولوں سے معمور تحریریں، اندازِ بیان عام فہم اور سادہ، اساتذہ، طلبہ اور عامۃ المسلمین کے لئے نادر علمی تحفہ۔ گیارہ سو صفحات پر مشتمل یہ علمی سوغات دو جلدوں میں منظرِ عام پر آ گئی ہے۔

قیمت -/750 روپے

ناشر

موتمر المصنّفین دارالعلوم حقانیہ

اکوڑہ خٹک ضلع نوشہرہ

Ph:0923-630435

اے بی سی آڈٹ بیورو سرکولیشن کی مصدقہ اشاعت

جلد نمبر ---- 43
شمارہ نمبر ---- 11
شعبان ---- ۱۴۲۹ھ
اگست ---- ۲۰۰۸ء

16-9-08

ماهنامه الحق

اکوڑہ خٹک

مدیر اعلیٰ
حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ

نگران
حضرت مولانا انوار الحق صاحب مدظلہ

مدیر
حافظ راشد الحق سمیع حقانی

ناظم شفیق الدین فاروقی

اس شمارے کے مضامین

نقش آغاز: ظلم و جبر کی علامت پرویز مشرف کی شرمناک رخصتی ۔ نامور شاعر احمد فراز کی جدائی ۔ فاضل دار العلوم حقانیہ کا ایک قابل فخر علمی و تحقیقی کارنامہ .... مدیر ۲

رمضان، فضائل، برکات اور حکمتیں .... حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق قدس سرہ ۷

حرمین الشریفین میں پینتالیس سال قبل میری پہلی حاضری ۔ (۶) مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ ۱۴

قرآن عظیم کی آفاقیت اور اس کا فلسفہ کائنات .... مولانا سعید الرحمٰن ندوی ۲۴

اعتکاف: فضائل و مسائل .... مولانا حذیفہ وستانوی ۳۴

انسانی اعضاء کی پیوندکاری اسلام کی نظر میں (آخری قسط) .... مولانا مفتی مختار اللہ حقانی ۴۳

شیخ الحدیث حضرت مولانا جلال الخالق " .... مولانا عرفان الحق ۵۱

وقت کا احساس .... مولانا سید بلال عبدالحی حسنی ندوی ۵۶

روشن خیالی یا احساس کمتری .... ابن فضل حقانی ۵۸

دار العلوم کے شب و روز .... جناب شفیق الدین فاروقی ۶۰

تعارف تبصرہ کتب .... مدیر مسؤل ۶۲

نوٹ: ادارہ کا مضمون نگار حضرات کے خیالات و آراء سے متفق ہونا ضروری نہیں۔

ماہنامہ الحق دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع نوشہرہ (سرحد) پاکستان ۔ فون نمبر (0923)630340-630435

ای میل: Email: editor_alhaq@yahoo.com

سالانہ بدل اشتراک اندرون ملک فی پرچہ -/20 روپے سالانہ -/200 ' بیرون ملک 20$ امریکی ڈالر

کمپوزنگ: بابر حنیف

پبلشر: مولانا سمیع الحق مہتمم دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک' منظور عام پریس پشاور

نقش آغاز　　بسم اللہ الرحمن الرحیم　　راشد الحق سمیع حقانی

ظلم وجبر کی علامت پرویز مشرف کی شرمناک رخصتی

ع　　بہت بے آبرو ہو کر ترے کوچہ سے ہم نکلے

بالآخر ۱۸راگست ۲۰۰۸ء کو ملک وملت پرننگِ دیں، ننگِ وطن، ننگِ ملت پرویز مشرف کی صورت میں قابض سیاہ دور کا خاتمہ ہوگیا اور اپنے آپ کو پاکستان کی بقاء کے لئے ضروری قرار دینے والا آمر مطلق بالآخر کوچہ اقتدار سے نکل بھاگنے پر مجبور ہوگیا۔ یقیناً اس کے استعفیٰ سے پورے ملک بلکہ پورے عالم اسلام کے مسلمانوں میں خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی۔ پورے ملک میں اس موقع پر مٹھائیاں بانٹی گئیں اور شکرانے کے نفل پڑھے گئے۔ کیونکہ پرویز مشرف نہ صرف پاکستان بلکہ پورے عالم اسلام کا مجرم اور غدار تھا۔ یوں تو اسلامی تاریخ بدقسمتی سے موقع پرستوں، ذاتی مفادات کو ملک وملت کے مفادات پر ترجیح دینے والوں اور استعماری قوتوں کے آلہ کاروں سے بھری پڑی ہے۔ لیکن پرویز مشرف کے نو سالہ ظالمانہ اقتدار اور اس کے شرمناک کارناموں نے اسے غداروں کی فہرست کا سپہ سالار بنا دیا ہے۔ اس نے امریکی مفادات کی تکمیل کے لئے پاکستان اور اسلام کو جتنا نقصان پہنچایا ہے اس کی تلافی میں صدیوں کا وقت صرف ہوگا۔ پاکستان کے کسی بھی شعبہ اور کسی بھی ادارہ کو اس نے تباہ کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ ملک کا سیاسی اور اقتصادی دیوالیہ پن تو اس نے پہلے ہی کر دیا تھا لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس نے پاکستان کے اسلامی تشخص کے بخیے بھی ادھیڑ دیئے تھے۔ اور ساتھ ساتھ اخلاقیات کا جنازہ بھی نکال دیا تھا، روشن خیالی کے نام پر ایسے تاریک راستوں پر قوم کو ڈال دیا تھا جس کی منزل ہلاکت اور پستی کی اتھاہ گہرائیاں تھی۔ نظام تعلیم کے ''اصلاح'' کے نام پر دو قومی نظریے اسلام اور مشرقی روایات کے متعلق مواد کو حرفِ غلط کی طرح مٹانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ تحریک طالبان افغانستان کی مستحکم حکومت اسی میر جعفر اور میر صادق کی ذریت فاسدہ کے ہاتھوں تاراج کردی گئی۔ ہزاروں لاکھوں معصوم افغانی اور طالب علم کو اسی بدبخت کی بھرپور انٹیلی جنس رپورٹوں کی مدد اور پاکستان میں امریکن طیاروں کو بیسز کی فراہمی کی وجہ سے شہید کردیئے گئے۔ یہ پرویز مشرف کی غلامانہ پالیسیاں ہی تھیں جس نے صوبہ سرحد کے تمام قبائلی علاقوں کے امن وسکون اور وہاں کی قبائلی روایات کو یکسر نظر انداز کر کے فوجی آپریشنز شروع کئے گئے اور جس کے ردعمل میں پورے ملک میں دہشت گردی کی آگ پھیل گئی ہے اور ہزاروں افراد خودکش بمباروں کی صورت میں پیدا

کرادیئے گئے ہیں امریکی مفادات کی جنگ پاکستان کے شہروں اور گلیوں میں نوسال تک لڑی گئی' دینی مدارس کو خصوصی طور پر پروپیگنڈے کا نشانہ بنایا گیا۔ لال مسجد کی المناک داستان اسی آمر وظالم کے فیصلوں کی وجہ سے رونما ہوئی' جس میں سینکڑوں معصوم پاکستانی بچیوں کو زندہ جلادیا گیا اور یہی ظلم اس کے اقتدار کے زوال کا باعث ہوا۔ بالآخر عرش سے نالوں کا جواب آہی گیا اور آخر کار قدرت کا انتقام اس کے بدترین اور عبرت انگیز انجام یعنی اقتدار کے محل سراؤں سے بے دخلی کی صورت میں رونما ہوا۔ لیکن افسوس کہ اس جیسے ملی مجرم کو انصاف اور احتساب کے کٹہرے میں لانے کے لئے کوئی بھی کوشش نہیں کی جارہی' کیونکہ امریکہ' افواج پاکستان اور خصوصاً اتحادی حکومت پرویز مشرف سے انتقام اور احتساب کو ضروری نہیں سمجھتے' لیکن ہمارا ایمان ہے کہ سب سے بڑی عدالت اور سب سے بڑا منصف ضرور اس کے احتساب اور انتقام کا منتظر ہے۔ تو منکرِ قانون مکافات عمل تھا لے دیکھ تیرا عرصہ محشر بھی یہی ہے

پرویز مشرف کے کوچہ اقتدار سے بے دخلی میں نئے حکمرانوں کے لئے بھی بڑی عبرت ہے' لیکن افسوس کہ ان کی آنکھ میں نہ بصارت ہے نہ ان کے دماغ میں بصیرت۔ **ان فی ذلک لعبرۃ لمن یخشیٰ**

ستم بالائے ستم یہ ہے کہ پاکستانی قوم کی آزمائش کے دن پرویز مشرف کے جانے سے ختم نہیں ہوئے اور ان کے دکھوں کا مداوا ابھی نہیں ہوا بلکہ ایک اور سیاہ رات پیپلز پارٹی کی حکومت کی صورت میں ان کا منہ چڑا رہی ہے امریکی مفادات کی تکمیل کے لئے اور دہشت گردی کے خلاف نام نہاد جنگ میں امریکہ کو نئی سواری میں جتنے کے لئے ایک نیا خچر مل گیا ہے' جو بڑی تیزی کے ساتھ قوم کو خانہ جنگی اور طوائف الملوکی کی جانب مزید کھینچ رہا ہے۔ پاکستانی معیشت کی زبوں حالی تو پہلے ہی فریاد کناں تھی' اب نئے حکمرانوں کی آمد اور ان کے ماضی کے ''روشن کارناموں'' کے باعث رہی سہی معیشت پر بھی نزع کا عالم طاری ہوگیا ہے۔ موجودہ حکومت بھی اپنے پیشرووں کے ڈگر پر چلتے ہوئے باجوڑ ایجنسی میں ظلم وجبر کے نئے ریکارڈ (بمباری) قائم کررہی ہے۔ نئی حکومت نے آتے ہی تقریباً ۲ لاکھ پاکستانیوں اور پختونوں کو اپنے ہی ملک میں ہجرت پر مجبور کردیا گیا ہے۔ رمضان المبارک کے مقدس مہینے میں ہمارے یہ غیرت منداور باحیا وضع دار بھائی کھلے آسمان کے نیچے بھوکے پیاسے اپنے خاندانوں کے ہمراہ بے یارومددگار پڑے ہوئے ہیں۔ ان بیچاروں کا کوئی پرسان حال نہیں۔ ایسے ناگفتہ بہ حالات میں آگے سے جناب زرداری صاحب بھی قصرِ صدارت پر متمکن ہونے جارہے ہیں۔ قرائن' آثار' تیور اور پالیسیاں تو یہی بتا رہی ہیں کہ پرویز مشرف کو ''بخشوانے'' کی پوری پوری تیاریاں اپنے عروج پر ہیں۔ یعنی امریکی غلامی کا طوق' سیاسی واقتصادی بدحالی اور ظلم و بربریت کی زہریلی فضاء اسی طرح ملک وملت کے مقدر کو محبوس رکھے گی۔ الغرض بدقسمت پاکستانی قوم ایک بار پھر پسِ زنداں اسیر رہنے کے لئے تیار رہے کہ ابھی ان کی آزادی کے مقدر کا ستارہ طلوع ہوتا نظر نہیں آتا۔

تیرے آنے سے فقط زنجیر ہی بدلی گئی ہم اسیروں پر جفا کا باب وا پہلے سے تھا

وفیات

نامور شاعر احمد فراز کی جدائی

میدان ادب کی بستی یوں تو عرصہ دارز سے طوفانِ اجل کے پے در پے تھپیڑوں کی زَد میں ہے' کوئی مہینہ اور کوئی برس ایسا نہیں گزرتا جو اپنے ساتھ علم وادب کے آفتاب و ماہتاب ہم سے چھین کر نہ لے جاتا ہو۔ نیا حادثہ بھی ادب اردو کے لئے کسی بھونچال سے کم نہیں۔ برصغیر پاک و ہند کے موجودہ عہد کے آخری سب سے بڑے اور نامور شاعر جناب احمد فراز بھی ہم سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رخصت ہو گئے۔

اب کاوش محروم تجھے ڈھونڈ رہی ہے		اک تو ہی تو سرمایہ خونیں جگراں تھا

جناب احمد فراز کی شخصیت اور افکار ونظریات کے کچھ پہلوؤں سے اختلاف اپنی جگہ کیونکہ ہر انسان کا ذہنی ارتقاء مختلف ادوار اور ماحولوں کے ساتھ وابستہ رہتا ہے یقیناً احمد فراز بھی اسی نشیب وفراز سے گزرے لہذا ان کی شخصیت اور افکار بھی تنقید کے تیشے کی زَد میں رہے لیکن ان کی باکمال' معنی خیز' شائستہ' برجستہ اور اساتذہ فن کا رنگ لئے ہوئی ساحرانہ شاعری اور علم وادب کے حوالے سے ان کی خدمات کا اعتراف ساری دنیا نے بر ملا کیا ہے۔ بلاشبہ پاکستان میں شاعرِ اسلام علامہ اقبالؒ کے بعد فیض احمد فیض اور احمد فراز کا سکہ ہر دور میں سب سے زیادہ چلتا رہا' جناب احمد ندیم قاسمی' منیر نیازی اور دیگر بزرگ شعراء جو اپنی اپنی جگہ شعر وادب کے حوالے سے انتہائی بلند پایہ شخصیات تھیں' لیکن عوام وخواص میں جو عزت' شہرت اور قبولیت فراز کے حصہ میں آئی وہ اپنی مثال آپ ہے۔

وہ اپنے دور کے عوامی شاعر تھے' زندگی کے ہر شعبے سے وابستہ افراد چاہے ان میں جواں ہوں' بوڑھے ہوں یا بچے ہر ایک کی زبان پر احمد فراز کے شعر جاری رہتے۔ یقیناً فراز عصر حاضر میں اپنے پیشرو شاعروں اور اساتذہ شعر وادب کے سلسلہ کی آخری سنہری کڑی تھے۔ لیکن احمد فراز ادب اور اردو شاعری میں کئی پیش روؤں اور ہمعصروں سے بازی لے گئے تھے' یقیناً اردو شعر وادب ان کی شاعری اور خصوصاً صنف غزل پر بجا ناز کرسکتی ہے۔ انہوں نے غزل کو عوامی قبولیت کے رنگ میں رنگ دیا تھا۔ ان کی غزل کی رنگینیوں اور خیالات کی رعنائیوں سے پژمردہ اور سنگلاخ دلوں کی کھیتیوں میں بھی زندگی کے نغمے گونجنے لگتے تھے۔ آپ کی نظمیں بھی خزاں رسیدہ ذہنوں میں موجِ بہار بن کر اترتی تھیں۔ تعجب اور حیرت کی بات لگتی ہے ان لوگوں کے لئے کہ فراز جیسے عظیم اردو داں شاعر کا تعلق صوبہ سرحد اور کوہاٹ جیسی سنگلاخ سرزمین اور پھر پختون معاشرے سے ان کا تعلق تھا۔ ان کی پیدائش نوشہرہ میں ہوئی اور پھر تعلیم وتربیت بھی پختونوں کے خاص پٹھانی ماحول میں ہوئی۔ لیکن آپ نے اوائل عمری ہی سے ایسی پختہ اردو شاعری میں نام پیدا کرنا

شروع کردیا کہ پختونوں کی عمر بھر کی اردو زبان میں کمزوری کی تلافی ہوگئی۔ پھر خصوصاً ہندوستان میں فراز کی شاعری کا جادو پاکستان سے بھی زیادہ سر چڑھ کر بولا۔ جو ہر پاکستانی اور ہر پختون کے لئے باعث اعزاز ہے۔ فراز کی شاعری صدیوں تک زندہ رہے گی۔ راقم بھی فراز کی شاعری کا بچپن سے مداح رہا ہے۔ اور اپنے شعر و ادب کے ذوق کی جانب طبعیت کے میلان میں آپ کی باکمال شاعری کا ضرور اثر اور دخل رہا ہے۔

اس وقت سے میں ترا پرستار حسن ہوں　　دل کو میرے شعور محبت جب نہ تھا

اسی لئے آپ کے جنازے میں شرکت کے لئے اسلام آباد پہنچا۔ جناب احمد فراز کے ساتھ میرے چچا محترم پروفیسر محمود الحق حقانی صاحب کا بڑا دیرینہ تعلق تھا جب احمد فراز اسلامیہ کالج پشاور میں ۳۵۔۳۶ برس پہلے لیکچرار تھے تو ہمارے چچا حقانی صاحب کے ساتھ ایوب خان کے خلاف یونین کے قیام کے سلسلے میں ان کا تعلق قائم ہوا اور انہوں نے اساتذہ اور طلباء کے حقوق کے لئے مل کر کئی سال آمر مطلق کے خلاف جدوجہد کی۔ جناب احمد فراز کو حقانی صاحب کے ساتھ بڑا قریبی مخلصانہ و برادرانہ تعلق تھا۔ آپ حقانی صاحب کو اپنے انتہائی مخلص ترین دوستوں میں شمار کرتے تھے' اسی لئے حقانی صاحب بھی جنازہ میں شرکت کے لئے راقم کے ہمراہ اسلام آباد تشریف لے گئے۔ حضرت مولانا سمیع الحق صاحب بھی اسی دیرینہ خاندانی تعلق کی خاطر اور شعر و ادب کے ساتھ وابستگی کی بناء پر آپ کے جنازہ میں شرکت کے لئے تشریف لائے۔ اور وہاں پر احمد فراز کے خاندان اور ان کے امام مسجد کے پُر زور اصرار پر نماز جنازہ آپ نے پڑھائی۔ اس موقع پر افسوس کے ساتھ لکھنا پڑتا ہے کہ حکومت کے اعلیٰ حکام اور وفاقی وزراء اور دیگر سیاسی زعماء انتہائی کم تعداد میں جنازے میں شریک ہوئے' گو کہ احمد فراز کا سیاسی تعلق پیپلز پارٹی کے ساتھ تھا' لیکن ان جیسے عظیم شاعر کے سفر رخصتی میں ان کی عدم شرکت بے وفائی اور علم و ادب سے بے اعتنائی کی ایک بڑی مثال ہے۔ افسوس کہ ایسے انقلابی اور اثر انگیز شاعر واس قحط الرجال کے دور میں ہم نے گنوا دیا ہے۔ جن کے زندۂ جاوید اشعار تادیر زمانہ گنگناتا رہے گا۔

بطور مثال چند منتخب اشعار پیش خدمت ہیں:

ے تاب و تواں نہیں ہے مگر حوصلے تو دیکھ　　شیشہ صفات پھر بھی حریفانِ سنگ ہیں

ے یہ رعونت تابکے اے دلفگاراں دیکھنا　　اب گرے گا طرّۂ سلطان سرِ سلطان سمیت

ے ہم بھرے شہروں میں تنہا ہیں نجانے کس طرح　　لوگ ویرانوں میں کرلیتے ہیں پیدا آشنا

ے اے خوشا عہد خزاں جب نغمہ پیرائی تو تھی　　اب تو سرمہ در گلو میں خوشنوایان بہار

ے پھر ہٹا لینا مرے چہرے سے تو بھی اپنا ہاتھ　　اور کچھ لمحے ٹھہر اے زندگی اے زندگی

فاضل دارالعلوم حقانیہ کا ایک قابل فخر علمی و تحقیقی کارنامہ

خداوند تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ فضلائے دارالعلوم حقانیہ زندگی کے تمام شعبوں میں جو کارہائے نمایاں سرانجام دے رہے ہیں اس نے ایک عالم کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا ہے۔ حال ہی میں دارالعلوم حقانیہ کے قابل فخر فرزند حضرت مولانا عبدالباقی حقانی نے انتہائی اہم موضوع ''اسلام کا نظامِ سیاست وحکومت'' پر دو ضخیم بڑی جلدوں میں علمی اور تحقیقی کتاب لکھی ہے اور سینکڑوں معتمد اور معتبر کتابوں سے حوالہ جات نقل کر کے امت مسلمہ اور عالم اسلام کے سامنے اسلامی ریاست کا ایک جامع اور مکمل خاکہ پیش کیا ہے۔ بطور مثال اسلامی سیاسیات کے حوالے سے فاضل مصنف نے صرف ہمارے سنی علماء کرام کی ۳۱۳ کتابوں کا ذکر کیا ہے اور ساتھ ساتھ یہ وضاحت بھی کی ہے کہ ان کی تعداد تو اس عدد سے کئی زیادہ متجاوز ہے لیکن بطور تبرک ۳۱۳ کے عدد پر اکتفا کیا گیا ہے۔

میدان سیاست جو نظام اسلام میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے اور پھر خود حضور اقدس ﷺ کی حکمت و تدبر اور انقلابی فلسفہ سے بھرپور زندگی بھی اس کی ایک اعلیٰ مثال ہے کہ کس طرح آپ ﷺ نے ایک کامیاب جدوجہد کو منزل مراد سے ہمکنار کیا پھر اس کے بعد حضرات خلفائے راشدین اور صحابہ کرامؓ کے طرز حکومت اور اندازِ سیاست نے دنیا بھر کا نقشہ ہی بدل ڈالا' پھر بعد میں مسلمانوں کے علمی انحطاط اور باہمی اختلاف کی وجہ سے وہ عالمی سیاست کے میدان سے اوجھل ہوگئے اور اب تک عالم اسلام کی موجودہ قیادت ناکامیوں اور نامرادیوں کی دلدل میں پھنستی چلی جارہی ہے ایسے ناگفتہ حالات میں جناب مولانا عبدالباقی حقانی کی موجودہ کتاب زعمائے امت کیلئے ایک رہنما اصول کی حیثیت رکھتی ہے کہ مسلمانوں کا ماضی کس قدر شاندار تھا اور کن ناموافق حالات' مختلف ادوار اور زمانوں میں مسلمانوں کے رہنماؤں اور ان کے زعماء نے ملک وملت کی ناؤ کو ساحل مقصود تک پہنچایا۔ اگر آج نظام سیاست میں چند انقلابی اصلاحات کی جائیں اور پرانے وضع کردہ اسلامی سیاست کے اصولوں کا لحاظ رکھا جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ مسلمانان عالم کی عظمت رفتہ اور نشاۃ ثانیہ کا دیرینہ خواب شرمندہ تعبیر نہ ہو۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ عالم اسلام کے تمام ارباب حل وعقد اس کتاب کی روشنی میں سیاست کا نیا نقشہ مرتب کریں اور اسی لائحہ عمل پر عمل فرمادیں۔ فاضل مولانا عبدالباقی صاحب حقانی نے نامساعد حالات میں تن تنہا ایسا بڑا علمی اور تحقیقی کام کیا ہے' جو ہم جیسے کوتاہ ہمتوں کیلئے ایک بڑی مثال ہے' مولانا کے اس عظیم علمی کام کو مفکر اسلام حضرت مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہ اور صدر وفاق المدارس حضرت مولانا سلیم اللہ خان مدظلہ نے ان کو خصوصی طور پر کراچی بلا کر انہیں خراج تحسین پیش کیا۔ جو فضلاء حقانیہ کے لئے باعث اعزاز اور برکت ہے۔ اس مؤقر کتاب پر والد محترم حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ کا قیمتی مقدمہ رسالہ کے آخر میں بطور تبصرہ پیش کیا جارہا ہے' یہاں ادارتی شذرہ میں صرف اس کا اجمالی ذکر بطور تحسین وتعارف پیش کیا جارہا ہے کہ جامعہ حقانیہ کو ان میدان علم کے شہسواروں پر بجا طور پر فخر ہے۔

از افادات حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق قدس سرہ

رمضان، فضائل، برکات اور حکمتیں

خطبہ جمعۃ المبارک یکم رمضان المبارک ۱۳۸۸ھ

خطبہ مسنونہ کے بعد وعن عبداللہ بن عباسؓ قال کان رسول اللہ ﷺ اجود الناس وکان اجود مایکون حین میقاہ جبرئیل علیہ السلام وکان یلقاہ فی کل لیلۃ من رمضان فیہ ارسلہ القرآن فلرسول اللہ ﷺ اجود بالخیر من الریح المرسلۃ (او کما قال)

خداوند تعالیٰ کی خاص نعمت:

محترم بھائیو! ہم اور آپ سب رسول اللہ ﷺ کے امتی ہیں اور یہ خداوند کریم کے ان عظیم نعمتوں میں سے جو اس امت پر ہیں، سب سے بڑی نعمت ہے کہ ہمیں حضور اقدس ﷺ کی امت میں پیدا فرمایا، حضور اقدس ﷺ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن سب سے پہلے جنت کا دروازہ میرے لئے کھولا جائے گا اور میں اپنی امت سمیت جنت میں داخل ہوں گا۔ اور یہ قاعدہ بھی ہے کہ جہاں آقا، سردار یا حاکم موجود ہو، وہاں اس کا خادم خاص بھی خدمت کی خاطر ساتھ ہی رہتا ہے۔

نعمت کا تقاضا:

جب اللہ جل مجدہٗ نے ہم پر اتنی بڑی نعمت فرمائی تو چاہیے کہ ہم اپنے آقائے نامدار اور روحانی والد سردار دو جہان کے نقش قدم پر چلیں ہر امت اپنے پیغمبر کی روحانی اولاد ہوتی ہے، اور روحانی رشتہ جسمانی رشتہ سے زیادہ قوی اور مضبوط ہوتا ہے، اس وجہ سے ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ: لایؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین ''جب تک تم میں سے ہر شخص کے نزدیک میں اس کے والد اس کی اولاد اور ساری مخلوق سے زیادہ محبوب نہ ہوں تب تک وہ شخص مومن نہیں کہلا سکتا''

صحیح اولاد وہی ہوتی ہے جو اپنے ماں باپ کی صحیح اتباع اور پیروی اختیار کرلے اور جو اپنے والدین کے نقش قدم پر نہ ہو لوگ اسے نااہل اور نالائق سمجھتے ہیں تو امتی وہی سچا امتی ہے جو حضور ﷺ کی سنت پر عمل درآمد کرتا ہو اور جو امتی ہونے کا دعویٰ کرے مگر اپنے نبی کی اتباع نہ کرسکے وہ دعویٰ میں غلط ہے اور یہ دعوی اس کے لئے باعث تمسخر ہے۔

محترم بھائیو! یہ رمضان المبارک کا مہینہ بھی اس امت پر خداوند تعالیٰ کے خاص کرم کا مہینہ ہے‘ خداوند کریم نے اس امت پر حد سے زیادہ انعامات و اکرامات کئے ہیں‘ اور کر رہا ہے اس کی نعمتیں تو لاتعد و لاتحصی ہیں کہ جن کا شمار ممکن نہیں یہ ہماری روح ہماری زندگی ہمارا وجود‘ یہ آنکھ‘ ناک‘ کان‘ ہاتھ پاؤں دل و دماغ یہ سب خدا کی نعمتیں ہیں جس سے ہم فائدہ اٹھاتے ہیں۔ یہ زمین‘ ہوا‘ پانی غلہ‘ پھل پھول جو کچھ بھی ہمارے لئے ضروری تھا سب اللہ جل شانہ نے زمین کے دسترخوان پر ہمارے لئے بچھا دیا۔ پھر خاص طور پر انسان کو تو اشرف المخلوقات بنا دیا‘ اپنا خلیفہ بنا دیا‘ ساری مخلوق پر اسے اقتدار اور تسلط دیا تا کہ وہ اس میں تصرف کرتا ہے‘ یہ خاص انعام ہے۔

سب سے بڑی نعمت اللہ کی ہمکلامی اور اس کلام کا مخاطب بننا ہے:

انسان پر سب سے بڑھ کر نعمت یہ ہے کہ خدا نے اسے اپنی ہم کلامی سے مشرف کیا‘ اپنے کلام کا مخاطب بنایا اپنے کلام کے نزول کا اہل بنا دیا‘ اس کی افہام و تفہیم اور اس کی تلاوت کرنے سے نوازا۔ ہر نعمت اس کی بے حد ہے‘ مگر یہ نعمت کہ اللہ نے حضور نبی کریم ﷺ کو مبعوث فرما کر ان کے ذریعہ ہمیں اپنے کلام سے مشرف فرمایا‘ ہمارے پاس قرآن مجید بھیجا‘ اور ہمیں اس قابل کر دیا کہ اس کی تلاوت کریں اسے سنیں اس کو سمجھیں اس پر عمل کریں اس پر غور و فکر کریں۔ یہ خدا کی وہ خاص نعمت ہے جس کا جواب نہیں اور جسے خود اللہ نے بطور امتنان ذکر فرمایا ہے: **ولقد یسرنا القران للذکر فھل من مدکر.** ’’ہم نے اسے نازل کیا اور پھر اسے سمجھ اور نصیحت کے لئے آسان بھی بنا دیا۔‘‘ قرآن مجید اللہ کا کلام نفسی ہے اور اللہ کی ذات و صفات کا تحمل ادراک اور فہم ہمارے اذہان سے باہر کی چیز ہے تو اللہ نے اپنے کلام نفسی کو اس کلام لفظی کا شکل دے کر اسے آسان کر دیا۔

تلاوت قرآن صرف اس امت کی خصوصیت ہے:

حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ قرآن مجید کی تلاوت کی نعمت فرشتوں کو بھی حاصل نہیں اور اسی وجہ سے جیسا کہ حدیث میں ہے فرشتے نماز میں شریک ہوتے ہیں کہ امام کی تلاوت سنیں‘ جب سورۂ فاتحہ ختم ہو تو آمین کہتے ہیں اور جہاں قرآن مجید پڑھا جائے‘ وہاں ملائکہ جمع ہو کر عرش تک اوپر نیچے پرے لگا دیتے ہیں اردگرد گھیرا ڈال دیتے ہیں۔ حفتھم الملائکۃ و غشیتھم الرحمۃ کہ اس قرآن کی وجہ سے جو رحمتیں نازل ہوتی ہیں فرشتے بھی اس کے مورد بن سکیں اور اسے سن سکیں تو شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ قرآن کی تلاوت کی فضیلت و منقبت صرف اس امت کو حاصل ہے‘ اگلی امتوں کو بھی اللہ نے احکام سے نوازا مگر ان کو کتابیں دیں‘ کلام نہیں دیا مثلاً حضرت موسیٰ کو تورات شریف ملی جو لکھی ہوئی چیز تھی اس کو کلام نہیں کہہ سکتے۔

کلام اللہ اور کتاب اللہ میں فرق: کتاب الگ چیز ہے اور کلام الگ جس پر متکلم تلفظ کرے اور آواز و صوت پیدا ہو اگر کسی کو اپنی خیریت اور حالات لکھ دو‘ اس کو کتاب کہیں گے‘ اور اگر ٹیلی فون پر بات چیت کر دیا مشافہۃً کہ کانوں سے سن

لے تو اس کو کلام کہیں گے' تو قرآن مجید اللہ کا کلام ہے' اس کے الفاظ معانی دونوں خدا کی طرف سے ہیں جسے اللہ جل جلالہ نے ہماری فہم اور تفہیم کا ذریعہ بنا دیا اور تلاوت اس کی آسان بنا دی۔

ماہ رمضان کی برکتیں:

تو اس مہینہ میں قرآن مجید اتارا گیا۔ شهر رمضان الذی انزل فيه القرآن. اس مہینہ میں اللہ کی بے انتہا نعمتیں ہیں۔ یہ کتنی بڑی نعمت ہے کہ رمضان میں ایک نفل ستر (۷۰) نفل کے برابر ثواب رکھتا ہے' ایک تسبیح سبحان اللہ کہنے کا بھی ستر دفعہ سبحان اللہ کہنے کے برابر اجر ہے۔ ایک فرض کا ستر فرض کے برابر ثواب ہے' ایک بڑی نعمت اس مہینہ میں یہ ہے کہ جنت کے دروازے کھل جاتے ہیں اور دوزخ کے دروازے بند ہو جاتے ہیں۔

برزخ والوں کو رمضان کا فائدہ:

اس کا بڑا فائدہ عالم برزخ والوں کو ہوتا ہے' کہ جہنم کے شدائد میں کمی آ جاتی ہے' جو لوگ قبر یا برزخ میں ہیں' تو حدیث میں آتا ہے کہ دوزخیوں کو جہنم کا دروازہ کھول دیا جاتا ہے کہ اس کی بدبو' گرمی اور شدت پہنچتی رہے اور جو جنتی ہے ان کے لئے جنت کے دروازے قبر میں کھول دیئے جاتے ہیں اور وہاں کی روح و ریحان خوشبو اور تازگی ان تک پہنچتی ہے۔ القبر روضة من رياض الجنة او حضرة من نصر النيران. ''قبر یا تو جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغ ہے اور یا جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے۔''

تو جو لوگ بُرے اعمال اور فسق و فجور کی وجہ سے عذاب قبر میں مبتلا ہیں۔ تو رمضان میں جہنم کے دروازے بند ہو جانے کی وجہ سے ان کو کچھ چھٹی مل جاتی ہے اور قدرے فائدہ ہو جاتا ہے اور جنت کے حقداروں کو جنت کی خوشبو اور نعمتوں میں اور بھی اضافہ ہونے لگتا ہے۔

جہنم والوں کو رمضان کا فائدہ:

اس طرح اگر کوئی گنہگار رمضان ہی میں مر گیا تو جیسے کہ جیلخانہ چھٹی کے دن بند رہتا ہے اور اگر اس دن کسی مجرم کو پکڑ لیا جاوے تو اسے باہر رکھتے ہیں۔ پولیس اسے اپنے ساتھ رکھتی ہے جس کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ گھر سے مجرم کو کھانا وغیرہ جا سکتا ہے' ملاقات بھی خویش و اقارب کر سکتے ہیں مگر جب جیل کا دروازہ کھلا اور وہاں داخل کر دیا تو سب رعایتیں ختم ہو جاتی ہیں تو اگر یہ شخص گنہگار ہے اور مستحق جہنم ہے' اس مہینہ میں مر جائے تو ختمِ رمضان تک تو کم از کم جہنم کی شدت اور عذاب سے بچ جائے گا۔

حدیث کا دوسرا مطلب:

حدیث کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ' رمضان میں نیکی کے دروازے کھل جاتے ہیں' اللہ تعالیٰ نے جنت کے داخلہ کے لئے دروازے اعمال صالحہ ہی تو پیدا کئے ہیں ہر نکی کے بدلہ ستر نیکیوں کے برابر ثواب ہے' ہر رات آواز آتی

ہے غیب سے کہ دیا باغی الخیر اقبل اے خیر اور بھلائی کی آرزو اور طلب رکھنے والے آگے بڑھ۔ یہی وقت ہے نیکی کا، ایک دفعہ استغفار کر تسبیح پڑھ، نماز پڑھ لے اللہ کی راہ میں کچھ خرچ کر دے۔ ویا باغی الشر اقصر "اور اے شر کے طلبگار ذرا پیچھے ہٹ جاؤ ذرا ٹھہر جا۔

شیاطین قید ہونے کے باوجود گناہ کیوں صادر ہوتے ہیں:

رمضان سے پہلے اگر ایک شخص چوری، قتل، جوا، زنا اور دیگر گناہ کرتا ہے تو الزام شیطان پر لگاتا ہے کہ اس کے ورغلانے کی وجہ سے گناہ ہوا، مگر یاد رکھئے رمضان میں تو یہ الزام اس پر نہیں لگا سکتے کہ اسے تو رمضان کے آتے ہی ہتھکڑیاں لگ جاتی ہیں۔ اور اس کو سمندر کی تہہ میں ڈال دیا جاتا ہے۔

صفدت الشیطین ومروۃ الجن میں نے دیکھا کہ پہلی ہی رات سے مساجد بھر گئیں، لوگوں کا میلان نیکیوں کی طرف ہو گیا۔ لاکھوں مواعظ سے اتنا کام نہیں ہوتا جتنا کہ رمضان کے آتے ہی لوگوں میں تبدیلی آ جاتی ہے اور اللہ کی طرف عبادات اور نماز وغیرہ کی شکل میں متوجہ ہو جاتے ہیں، گھروں میں عورتیں نمازوں کا اہتمام کرنے لگتی ہیں، تو وجہ یہ ہے کہ شیاطین قید ہو جاتے ہیں، مگر جس مرد و عورت کا رمضان میں بھی اللہ کی عبادات اور بندگی کی طرف توجہ اور نیکی کی طرف میلان نہ ہوا، تو سمجھ جایئے کہ اس میں رتی بھر بھی ایمان نہیں۔ وہ خود شیطان بن چکا ہے کہ اب جب شیطان بند ہے تو کون یہ گناہ کرواتا ہے؟ خود اس کا نفس کرواتا ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ ان اعدیٰ عدوک نفسک اللتی بین جنبیک "یہ تیرا نفس جو تیرے پہلو میں ہے سب سے بڑھ کر تیرا دشمن ہے۔"

نفس امارہ کی کارستانیاں: یہ نفس جب تک مطمئنہ اور لوامہ نہ بن جائے تو اس کے ہاتھوں ہلاکت کے گڑھے میں جاؤ گے اللہ تعالیٰ نے جب مخلوق پیدا کی تو ہر چیز سے پوچھا کہ میں کون ہوں؟ اور تو کون ہے؟ ہر چیز نے جواب دیا کہ تو رب ہے، خالق ہے، مالک ہے اور میں عاجز مخلوق ہوں۔ مگر نفس سے جب پوچھا کہ میں کون ہوں اور تو نفس نے جواب دیا کہ انت انت وانا انا تو تُو ہے اور مَیں مَیں ہوں۔

یہ نفس خبیث کا جواب تھا، آج بھی نفس کا اثر ہے کہ کہا جاتا ہے کہ میں ایسا ہوں، نواب ہوں، خان ہوں، پٹھان ہوں، میری پوزیشن کا کوئی جواب نہیں، میرے ساتھ کون مقابلہ کر سکتا ہے۔ میں تو لعل و جواہر ہوں۔ الغرض شیطان کے بند ہوتے ہوئے بھی یہ بددیانتی اس سے نفس ہی کرواتا ہے، گویا اس کا نفس اب شیطان بن گیا ہے۔

ایک عجیب خیال: اور اس کی مثال ایسی ہے کہ پہلے اس ملک میں انگریز تھا تو ہم اپنی بددیانتی کو اس پر ڈالتے تھے کہ غلام ہیں اس لئے اسلام کا جھنڈا سربلند نہیں کیا۔ اس لئے اسلامی قانون نہیں چل رہا۔ مگر اب تو ہم ۲۸ سال سے آزاد ہوئے ہیں۔ غلامی نہ رہی تو ہمیں کون اسلام اور قوانین سے روک رہا ہے۔ اب یہ لوگ کیوں بددین ہیں بلکہ اس حالت میں بھی بڑھ چکے ہیں، گویا اب تو یہ خود انگریز بن گئے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ غلامی کے دور میں اگر لوگ کوتاہی

کرتے ہوئے مرے ہیں تو شاید خدا انہیں بخش دے کہ مجبور تھے مگر اب تو کوئی عذر نہیں چل سکے گا۔ اس طرح شیطان جب بند ہوا تو نفس خبیث کا پنجہ پڑ گیا اور جن لوگوں کے نفس میں کچھ صلاحیت تھی وہ عبادت میں لگ گئے' دل نرم ہو گئے' با جماعت نماز پڑھنے لگے' پہلے ان پر شیطان کا تسلط تھا' اب وہ جیل گیا تو یہ آزاد ہوئے' اگر اب بھی نہ سنبھلے تو سمجھ جائے کہ وہ ابلیس سے بڑھ کر ہیں جیسا کہ لوگ قیامت کے دن شیطان کو ملامت کریں گے تو وہ جواب دے گا۔

فلا تلو مونی ولو موا انفسکم . "مجھے ملامت مت کرو بلکہ اپنے آپ پر ملامت کرو میرا کوئی جبر نہ تھا"

تو بھائیو! یہ انتہائی خطرے کی بات ہے کہ رمضان میں بھی ہم نماز نہ پڑھ سکیں' اور نہ چوری' جوا' جھوٹ' فریب چھوڑ سکیں' ہر رات آواز آتی ہے۔ یا باغی الخیر اقبل۔ اے خیر کے طالب اسباب خیر کھلے ہیں آگے بڑھ۔ و یا باغی الشر اقصر۔ اے شر کے طلبگار اب ذرا پیچھے ہٹ جا خدا نے شرک کے دروازے اور جہنم کے دروازے بند کر دیئے' تو اے شریر ذرا تو بھی اپنی شرارت چھوڑ دے۔ ذرا شرم وحیاء خداوند کریم سے لے کر اور برائی چھوڑ دے۔

<u>روزے کا اجر خاص:</u> رمضان کی رحمتوں میں بڑی رحمت یہ بھی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

الصوم لی وانا اجزی به. روزہ خاص میرے لئے ہے تو میں ہی اس کا اجر دوں گا۔

روزہ ایسی عبادت ہے کہ جو عاشق ہو گا وہی روزہ رکھے گا روزہ کا علم کسی دوسرے کو نہیں ہو سکتا۔ یہ غیر اللہ کے لئے نہیں ہو سکتا' اس میں ریا ونمود نہیں آسکتی جو روزے رکھتا ہے وہ اپنے مالک اور رب کے رنگ میں اپنے آپ کو رنگتا ہے' اللہ کھاتا نہیں' پیتا نہیں' غنی ہے' صمد ہے' بے نیاز ہے' ان تمام چیزوں سے' تو اس کا غلام بھی انہی چیزوں کو اپناتا ہے تو اجر بھی اللہ خاص طور پر خود ہی دیتا ہے' جیسا کہ ایک حاکم دربار منعقد کر کے کسی کو بلا لیتا ہے اور خاص اپنے ہاتھ سے اسے تمغہ سے نوازتا ہے' دوسرے وسائط اور ذرائع سے اتنی عزت نہیں ہوتی' تو روزہ دار کو اتنی بڑی خوشخبری ہے کہ براہ راست حق تعالیٰ کے انعام کا مستحق بنتا ہے' ایک دوسری قرأت 'انا اجزی بہ' کی ہے کہ میں خود اسکو بدلہ میں دیا جاؤں گا تو اسکی قدر و قیمت کی تو حد ہی نہیں کہ جو بندہ شرائط اور آداب کے مطابق روزہ رکھے گا وہ محبوب حقیقی کے وصال سے سرفراز ہو گا۔ تمام عالم کا بادشاہ' عالم کا مالک اور محبوب حقیقی جب اپنا دیدار روزے کے بدلے میں دیتا ہو تو اس سے بڑھ کر اور کیا ہو گا۔

<u>روزہ قیامت میں بھی ساتھ دے گا:</u> ایک روایت میں ہے کہ قیامت کے دن ظلم کرنے والوں کی نیکیاں اس کے بدلہ میں اصحاب حقوق لے لیں گے' مگر یہ روزہ ایسی عبادت ہے کہ جس کا اوروں کو علم نہیں ہو گا۔ تو جب ساری نیکیاں اوروں کو حقوق میں دے دی جائیں گی کہ ہمارے ظلم اور حق تلفی کا تو کوئی حد نہیں۔ مظلوم سب کچھ لے گا' مگر یہ روزہ اس وقت جہنم کی آگ کے سامنے ڈھال بن جائے گا' یہ نیکی محفوظ رہے گی۔ الصوم جنۃ روزہ ایک ڈھال ہے۔

<u>رمضان اور نزول قرآن کا باہمی تعلق:</u> پھر ان سب نعمتوں سے بڑھ کر نعمت وہی ہے جو میں نے عرض کر دی کہ خدا نے اس ماہ ہمیں قرآن کا طالب بنا دیا۔ یہ طالب علمی کا زمانہ ہے اور طالب العلم وہی ہے جو بھوکا ہو' پیاسا ہو'

راتوں کو جاگتا ہو، یکسو ہو کر ایک طرف کا رہے، توجہ ایک طرف ہو جائے رات کو قرآن تراویح میں پڑھنا اور سننا اور دن کو اس کے سبق اور تعلیم کی لذت میں اس کے تصور میں اور اس پر عمل کرنے میں مستغرق رہنا یہ عملی تربیت ہے، قرآنی تعلیمات کی اس لئے روزہ ہی میں قرآن نازل کیا گیا۔

شهر رمضان الذی انزل فیه القرآن. ''خداوند کریم نے بیت العزت سے آسمان دنیا میں اسی ماہ قرآن اتارا'' انا انزلنا فی لیلة القدر ۔پھر بیت العزت سے نزول جو شروع ہوا وہ بھی ایک روایت کے مطابق رمضان ہی میں ہوا تو چاہیے کہ رات دن تلاوت کا اہتمام کریں، رات کو ایک مرتبہ تراویح میں قرآن سننا سنت ہے، اور پھر ہمارے اکابر امام ابوحنیفہؒ جیسے بزرگ تو ہر دن اور ہر رات ایک ختم فرمایا کرتے تھے۔ان حضرات نے رمضان کا کوئی لمحہ اور کوئی لحظہ ضائع نہیں کیا۔اگر تلاوت نہ کرسکیں تو استغفار، تسبیح اور تمجید اور ذکر تو کرسکتے ہیں، ان امور میں غفلت نہ کریں۔

حدیث کی تشریح: حدیث کی تشریح کے لئے تو وقت نہیں رہا۔البتہ اس کا ترجمہ عرض ہے، حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ تمام لوگوں میں سب سے زیادہ سخی تھے اور آپ کی سخاوت رمضان میں انتہا کو پہنچ جاتی تھی، جب حضرت جبرئیلؑ آپؐ سے ملاقات فرماتے اور جبرئیلؑ رمضان شریف کی ہر رات میں آپ سے ملاقات فرماتے تھے، اور قرآن کریم دَور کرتے تھے، پس رسول اللہ ﷺ خیر کے معاملہ میں چلتی ہواؤں سے زیادہ تیز ہو جاتے تھے۔

سخاوت اور جود میں فرق: حدیث شریف میں لفظ جود ہے، سخاوت اور جود میں فرق ہے، سخاوت صرف مال کی تقسیم کا نام ہے، اور جود اعطاما ینبغی لمن ینبغی کو کہتے ہیں جو کہ عام ہے صرف مال دینے پر موقوف نہیں بلکہ جو شئے بھی جس کے لئے مناسب ہو اسے دے دی جائے۔ بلا امتیاز تمام اشیاء کی تقسیم کا نام جود ہے۔ مثلاً فقیروں کو اموال تقسیم کرنا تشنگانِ علوم کے لئے افاضہ علم کرنا گمر کردہ راہوں کے لئے ہدایت کرنا یعنی ہر کام اپنے محل میں کرنا یہ ہے جود۔

حضور ﷺ کی جود: تو پیغمبر ﷺ اجود الناس تھے، آپ ﷺ ہر شخص کو وہ چیز عطا فرماتے جو اس کے مناسب حال ہوتی تو جود ایک ملکہ ہے اور سخاوت اس کا اثر ہے اور پیغمبر علیہ السلام اپنے ملکات کے اعتبار سے تمام اہل کمال پر تفوق رکھتے تھے، پیغمبر کی سخاوت کی بھی نظیر نہیں۔ بحرین سے ایک لاکھ روپیہ آیا نماز کے بعد سب کو تقسیم کر دیا اپنے لئے کچھ بھی نہ چھوڑا۔ایک دفعہ عصر کی نماز ادا فرماتے ہی جلد حجرہ مبارک تشریف لے گئے اور سونے کا ایک ٹکڑا ہاتھ میں لائے۔فرمایا یہ ٹکڑا گھر میں تھا میں نے اس لئے جلدی کی کہ پیغمبر ﷺ کے گھر میں ایسی چیزوں کا رہنا مناسب نہیں، ایک دفعہ حضرت عائشہؓ کے گھر میں پھولدار گدا بچھا ہوا دیکھا تو فوراً واپس تشریف لے آئے حضرت ام المومنین گھبرا گئیں۔عرض کیا حضرت کیوں واپس تشریف لے جا رہے ہیں۔فرمایا مالی وللدنیا ہمارا دنیا سے کیا تعلق۔عرض کیا کہ آپ کے آرام کے لئے یہ تکیہ بنایا تو مالی وللدنیا کہہ کر فوراً تقسیم کر دیا۔ایک خاتون بڑے اشتیاق سے ایک تہبند لائیں۔عرض کیا کہ حضرت آپ اسے پہن لیں۔حضور ﷺ نے از راہ شفقت قبول فرمایا اور پہن لیا۔ایک صحابیؓ نے دیکھ کر چھوا اور کہا یہ تو بہت عمدہ

ہے دید یجئے۔ آپ فوراً مکان میں تشریف لے گئے۔ پرانا تہبند پہنا اور اس کو تہ کر کے اس صحابیؓ کو عنایت فرمایا۔ لوگوں نے اس صحابیؓ کو ملامت کی تو صحابیؓ نے جواب دیا کہ میں اس لئے یہ تہبند مانگا کہ اس کا اتصال آپ ﷺ کے بدن مبارک سے ہو چکا ہے، میں اسے اپنے کفن میں رکھنا چاہتا ہوں کہ آپکے جسد اطہر سے یہ کپڑا مس ہوا ہے۔ تو میرے لئے نجات کا ذریعہ بنے گا غزوہ حنین کے موقعہ پر بہت سے دیہاتیوں نے آگھیرا کہ کچھ عنایت فرمائیے۔ ہم آپکا مال نہیں مانگتے آپکے باپ کا مال نہیں مانگتے، اللہ کا مال مانگتے ہیں۔ آپ انکی اس گستاخانہ گفتگو سے متاثر نہ ہوئے اور نہ برامانے اور برابر مال دیتے رہے۔ حتیٰ کہ اژدحام کی وجہ سے پیچھے ہٹتے ہٹتے کیکر کے درخت میں اُلجھ گئے فرمایا کہ اگر اس وادی کے خاردار درختوں کی مقدار میں میرے پاس مویشی ہوتے تو سب کو تقسیم کر دیتا۔ یاد رکھیں کہ اس موقع حنین میں ۲۴ ہزار اونٹ اور چالیس ہزار بکریاں اور بارہ ہزار اوقیہ (ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے) تقسیم کر دیئے۔ یہ ہے آپ ﷺ کے شان جود کا احقر کرشمہ۔

حضور ﷺ کا تخلق باخلاق اللہ: مگر رمضان شریف میں حضور ﷺ کا جود بہت بڑھ جاتا تھا۔ کیونکہ رمضان شریف میں خداوند کریم کا جود لا متناہی اور بے شمار ہوتا ہے تو تخلقو اباخلاق اللّٰہ کی فضیلت بھی پیغمبر علیہ السلام سب سے زیادہ حاصل کرنا چاہتے تھے۔ جب خداوند کریم کے جود کی رمضان شریف میں یہ حالت کہ الصوم لی وانا اجزی بہ۔ اور من قام رمضان ایماناً و احتساباً غفر لہ ما تقدم من ذنبہ۔ جو شخص رمضان میں ایمان ویقین کے ساتھ حسبۃً للہِ عبادت کرے تو اس کے سابق گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔ پھر اس رمضان میں لیلۃ القدر کے اندر قیام کرنے والوں اور عبادت گزار کر ہزار مہینوں کی عبادت سے زیادہ اجر دیتے ہیں تو پیغمبر کا جود بھی حد سے زیادہ ہو جاتا تھا۔ اور جس طرح رب العالمین رمضان میں احسانات اور رحمت کی بارش برساتا ہے تو حضور پر نورؐ اس ماہ مبارک میں جود و کرم زیادہ فرماتے تھے۔ خصوصاً اس وقت جب کہ رمضان کی راتوں میں جبرئیل علیہ السلام آکر قرآن مجید کا دور فرماتے تھے اور اس کی وجہ یہ بھی تھی کہ قرآن مجید کے دور کی وجہ سے علمی و عملی ترقیات ہوا کرتی ہیں اور حضور ﷺ کے کمالات میں جس قدر ارتقائی کیفیات جلوہ گر ہوتی تھیں۔ اسی قدر جود میں بھی ترقی ہوتی تھی، تاکہ یہ کمالات اپنی ذات تک محدود نہ رہیں بلکہ ساری امت کو اس سے بہرہ اندوز فرماتے تھے۔ تو رمضان شریف میں قرآن مجید کے دور کے وقت ان ہواؤں سے جو لوگوں کی نفع رسانی کے لئے چھوڑی جاتی ہیں جو زندگی کا مدار ہیں اس سے بھی آپ کی جو زیادہ ہوا کرتی تھی آپ رحمۃ اللعالمین ہیں۔ الغرض امت کو بھی چاہیے جو روحانی اولاد ہے کہ رات کو قرآن مجید کی تلاوت کرتی رہے اور جود و سخا کی صفت اپنے اندر پیدا کریں۔ تاکہ پیغمبر ﷺ کے نقشِ قدم پر چل کر نجات دارین حاصل کریں۔ واخر دعوانا ان الحمدللّٰہ رب العالمین۔

قسط نمبر (٦) رشحاتِ قلم: شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ

حرمین الشریفین میں میری پہلی حاضری

پینتالیس سال قبل سفر حج کے احوال ومشاہدات لکھی گئی ڈائری کے اوراق

وصال محبوبؐ کے صبح وشام : مدینہ کی روح پرور بہاریں

پینتالیس سال قبل میری پہلی حرمین الشریفین حاضری کے سلسلہ میں مارچ کے شمارہ میں حرمین الشریفین سے میرے بھیجے ہوئے خطوط اور جواب میں حضرت والد ماجد قدس سرہ کے والا نامے شائع ہوئے ہیں جس سے قیام حرمین کے حالات پر اجمالی روشنی پڑتی ہے۔ قارئین نے اسے بے حد پسند کیا' سفر کے دوران ایک چھوٹی سی جیبی ڈائری میں ضروری حالات روزنامچہ کی شکل میں نوٹ کرتا رہا مگر وہ ڈائری تلاش کے باوجود نہیں مل رہی تھی' مارچ کے شمارہ میں سفر حج کی مراسلاتی رپورٹ پڑھ کر کسی اللہ کے بندہ کی دعا قبول ہوئی اور گمشدہ ڈائری کاغذوں کے انبار سے مل گئی اور آج الحمدللہ اس ڈائری کے نوٹس نذر قارئین کئے جارہے ہیں۔ واضح رہے کہ اس وقت ۲۴۔۲۵ سال کے عمر میں احساسات میں نہ وہ پختگی تھی نہ تاثرات میں گہرائی جبکہ تحریر کا بھی کوئی تجربہ نہیں تھا نہ اس کی اشاعت کا تصور تھا' ڈائری کے ایک ہی صفحہ پر یادداشت کو محدود کرنا پڑتا' پینتالیس سال کے بعد اب وہ نقشے بدل گئے اصاغر' اکابر اور اکابر اپنے وقت کے آئمہ رشد وہدایت بن گئے ہیں' وسائل انتہائی محدود اور سہولتیں عنقا تھیں مگر میں انہی نقوش اور مناظر کو تقریباً نصف صدی بعد اپنے قارئین کو دکھانا چاہتا ہوں اس لئے ڈائری میں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ حک واضافہ اور ترمیم کئے بغیر اصل شکل میں پیش ہے۔ کسی ضروری تشریح اور توضیح کو حاشیہ میں رکھا گیا ہے۔ [(مولانا) سمیع الحق]

<u>۲۵/ذیقعدہ بروز پیر :</u>

مدینہ میں مصری زائرین وزائرات کا ہجوم ہے' مسجد شریف نماز سے ایک گھنٹہ قبل بھی پوری بھر جاتی ہے'

<u>ایک مصری قاری اور ایک مصری داعی:</u> آج نماز فجر کے بعد ایک جید قاری المقری کی تلاوت سے بڑا لطف آیا۔ میں نے بعد از فراغت مصافحہ کیا اور نام پوچھا تو انہوں نے قاری عبدالحق القاضی المصری بتایا' بعد از نماز عصر ایک بھاری بھر کم جسم کے متشرع شکل وصورت کے ایک مصری عالم کی تقریر سنی' انداز بیان داعیانہ اور مجاہدانہ تھا' ایک مصری عالم کی زبان سے یورپی تہذیب عریانی اور بے پردگی اور مغربی تمدن پر شدید تنقید سن کر خوشی ہوئی بعد از مصافحہ انہوں نے اپنا نام صالح بن محمد بتایا۔ کثر اللہ امثالھم.

<u>صوفی منظور حسین:</u> مولانا منظور حسین ایک فقیر منش انسان' مدینہ طیبہ میں مدت سے مقیم ہیں' ان کی زیارت کرنے

گیا بوجہ تعارف سابقہ بڑے تپاک سے ملے' شہد کا شربت پلایا اور تصوف وسلوک پر عارفانہ کلام کیا' اور بہت دعائیں دیں۔ بیت غلام محمد (پاکستان ہاؤس) حضرت مولانا بنوری سے ملاقات رہی۔

۲۶/ذیقعدہ ۸۳ھ۔۸/مارچ بروز منگل:

الوداعی ملاقاتیں: مولانا حامد فرغانی کے ہاں الوداعی ناشتہ پر مدعو تھے' دیر تک وہاں ان سے علمی گفتگو رہی اور دینی احوال پر بات چیت رہی بظاہر یہ ان سے ہماری الوداعی ملاقات تھی۔ مدرسۃ الشرعیۃ میں مولانا انعام کریم صاحب نے میرے بعد از حج مجوزہ سفر شام واردن کے سلسلہ میں جدہ کے ہندی سفارتخانہ کے مولانا خالد سیف اللہ صاحب اور دمشق کے سفارتخانہ میں جناب محمود الحسن صاحب کے نام تعارفی خطوط دیئے اول الذکر والد صاحب کے زمانہء تدریس دیوبند کے حدیث میں شاگرد ہیں اور مدینہ میں ان سے ملاقاتیں رہیں۔

مولانا سید احمد مدنی کا قصیدۂ مخطوطہ: مولانا نے مدرسۃ الشرعیۃ کے کتب خانہ میں حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی کے بھائی مولانا سید احمد مہاجر مدنی بانی مدرسہ کے ہاتھ کا لکھا ہوا ایک قصیدہ بھی دکھایا' مدرسہ الشرعیہ بوجہ موسم حج بند تھا اور سوڈان ونائیجریا کے حجاج سے بھرا پڑا ہے۔ وہاں سے سوق قماش گئے اور بعض ضروری اشیاء خریدے۔

شیخ بن باز کے گھر: بعد از عصر عبداللہ کاکاخیل اور برادرم حسن جان کی معیت میں شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز نائب رئیس جامعہ اسلامیہ کے مکان گئے جو بہت بڑی کوٹھی تھی' اور مہمان خانہ نہایت قیمتی مرصع کرسیوں اور قالینوں سے سجا تھا۔ شیخ سے مصافحہ ہوا اور مختصر باتیں ہوئیں' عبداللہ نے ہمارے سفر شام وغیرہ کیلئے تعارفی اور تصدیقی اوراق کی خواہش ظاہر کی' انہوں نے بخوشی مدینہ سے مکہ معظمہ جانے اور تبوک کے راستہ واپسی کے لئے کاتب سے ورقات لکھوائے اور بٹوہ سے خاتم (مہر) نکال کر کاتب سے مہر لگوائے۔ شیخ کا خاتم رومال سے بندھے ہوئے ایک بٹوہ میں پڑا رہتا ہے' ان کی سادگی اور بے تکلفی سے قرون اولیٰ کے علماء کی یاد تازہ ہو جاتی ہے' وہاں سے مسجد نبوی آئے شارع عینیہ تک میدان بھی بھرا ہوا تھا' بمشکل مسجد کے اندر جگہ مل سکی۔

۲۷/ذیقعدہ ۸۳ھ۔۹/مارچ بروز بدھ:

ایک ترکی طالب علم دوست: بعد از عصر ترک دوست طالب علم علی سرتر ' کی خواہش پر ان کے ہاں گئے ان سے مسجد نبوی پہونچنے پر پہلے دن معتکف میں ملاقات ہوگئی تھی' ترکی کے داعی سعید نوری سے متاثر اور ان کی تحریک سے وابستہ ہیں' بے حد خلوص اور محبت کا اظہار کرتے رہے' ان کے دینی جذبات سے لبریز باتوں کا بڑا اثر ہوتا ہے' انہوں نے بطور یادگار ایک تسبیح اور ایک طغری اور ترکی کی دو مناظر (سینریاں) والے کارڈ دیئے۔ دمشق کے بعض احباب کے نام تعارفی خطوط دینے کی بھی خواہش ظاہر کی اور آئندہ خط وکتابت اور مراسلت کی تاکید کی۔ علی سرتر نے جامعہ کے موجودہ تعلیم پر بے اطمینانی کا اظہار کیا اور آئندہ نہ آنے کا ارادہ ظاہر کیا۔

شیخ عباسی کے والد ماجد اور مفتی محمود کیلئے تحفہ: مکان پر شیخ عباسی مدظلہ کے ہاں مجلس رہی، شیخ نے والد ماجد کے لئے شوگر ٹسٹ کرنے کے لئے ٹسٹ ٹیوب دیا جو انہیں افریقہ سے تحفۃً آیا تھا ان کو بھی والد ماجد مدظلہ کی طرح ذیابیطس کی تکلیف ہے، نیز مجھے حزب الاعظم کا ایک نسخہ عطا فرمایا، ایک نسخہ میں نے مولانا مفتی محمود صاحب کیلئے ان کے تقاضا پر مزید لیا اور پاکستان ہاؤس جا کر انہیں دیا۔

۲۹/ذیقعدہ ۸۳ھ۔ ۱۱/مارچ بروز جمعہ:

جدائی کی گھڑیاں سر پر: آج مدینہ طیبہ سے روانگی کا ارادہ ہے۔ اللہ اکبر اللہ اکبر۔ جدائی کی گھڑی سر پر آ گئی۔

حیف درچشم زدن صحبت یار آخر شد
روئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد
الفراق۔ الفراق ۔ الوداع الوداع یارسول اللہ

کل رات سے مجھے زکام اور انفلوئنزا کی شکایت ہے۔ اے اللہ میری گستاخیوں اور نالائقیوں کی تلافی اس سے کرا دے، بہت جلدی جمعہ کیلئے مسجد جانا ہوا۔ باب الرحمۃ سے داخل ہوئے تو شدت اژدہام کی وجہ سے بڑی مشکل سے جگہ ملی۔ شیخ عبدالعزیز صالح نے حج کی اہمیت پر خطبہ دیا، نماز فجر کے بعد بھی انہوں نے اس موضوع پر یومیہ درس دینے کا اعلان کیا تھا۔ بعد از نماز جمعہ شیخ عباسی کے ہاں الوداعی کھانے پر مدعو تھے، کھانے میں شریک ہوئے۔

شیخ عباسی کی قیام مکہ کے بارہ میں خصوصی نصائح: حضرت نے خصوصی نصائح و ہدایات سے نوازا، فرمایا ''مکہ مکرمہ میں قیام کے دوران زیادہ وقت حرم شریف میں گزارا کرو اور اس تصور سے خانہ کعبہ کو ہر وقت دیکھتے رہو کہ تجلیات ربانی اس پر نازل ہو کر میرے قلب میں جاگزین ہو رہی ہیں اور اکثر وقت قضا شدہ نمازوں، نوافل تلاوت اور ذکر اللہ میں گزرنا چاہیے۔ تمہارا قیام مدرسہ صولتیہ میں ہے جو تبلیغی مرکز ہے مگر زیادہ وقت انکے ساتھ نہ گزرنے پائے، انکا کام بہت اعلیٰ و ارفع ہے مگر مقصد اصلی تمہارا حرم کعبہ کے فیوض و برکات حاصل کرنا ہے۔ اسی طرح سیاسی قسم کے لوگوں کیساتھ وہاں وقت نہ ضائع کریں نہ کسی کیساتھ علمی مباحث اور مناظروں میں پڑیں، کسی پر تنقید نہ کریں اس قسم کے مباحث علیہ سے بچیں جس میں لامحالہ غیبت آ جائے اور کدورت قلبی پیدا ہو'' قبل از دوپہر شیخ نے =لطیفہ سِر= کی تعلیم دی اور بالکل الگ اور تنہائی میں کافی دیر تک مراقبہ کرا کر توجہ دی اور اس پر مداوت کرنے کی شدت سے تاکید کی اللہ کرے کہ ؎

تہی دستان قسمت را چہ سود از رہبر کامل کہ خضر از آب حیوان تشنہ می آرد سکندر را

کا مصداق نہ بنوں ورنہ تہی دستی تو ڈھکی چھپی نہیں۔

مولانا بدر عالمؒ سے الوداعی ملاقات: بعد از عصر حضرت الشیخ مولانا بدر عالم (۱) سے رخصت لینے ان کے

---

(۱) یہاں عالم اسلام کے تین جلیل القدر شخصیات سے ملاقات اور الوداعی زیارت کا ذکر ہے (۱) محدث جلیل مولانا بدر عالم میرٹھی (۲) مولانا شیر محمد سندھی مہاجر مدنی (۳) عالم اسلام کے داعی کبیر شیخ مصطفیٰ السباعی (دمشق) کا اور یہ ایک عجیب اتفاق ہے کہ ان ملاقاتوں کے بعد سال ڈیڑھ سال کے اندر علم وہدایت کی یہ شمعیں یکے بعد دیگرے بجھ گئیں___ میرے اس سفر حرمین کی برکات میں سے ایک نقد برکت کا ظہور اسطرح ہوا کہ حج سے واپسی پر ایک سال کے اندر ۶۵ء میں اللہ تعالیٰ نے شدت سے دل میں یہ داعیہ پیدا کیا کہ ایک وقیع علمی دینی مجلہ کا دارالعلوم حقانیہ سے اجراء ہونا چاہیے اور اسکو اعلاء حق اور باطل کے قلع قمع کا علمی نظری اور فکری محاذ بنایا جائے' ایک دور افتادہ گاؤں پٹھانوں کا علاقہ اور گرد وپیش میں اردو زبان وادب اور ادباء اور اہل قلم کا ماحول نہیں تھا نہ مجھے تحریر وانشاء کا کوئی سلیقہ نہ کسی دو ورقہ پرچے کی ادارت کا تجربہ' حضرت والد ماجد قدس سرہ سے اس معصومانہ خواہش کا اظہار کیا تو انہوں نے بھی مذکورہ مشکلات اور ناسازگار حالات کا ذکر کیا اور فرمایا یہ بڑا مشکل ہوگا اس کیلئے تو دہلی لکھنؤ دیوبند' اعظم گڑھ' علیگڑھ' لاہور' کراچی کا ماحول ہونا چاہیے۔ میں نے ڈرڈر کر عرض کیا کہ اس دور افتادہ گاؤں (جسے وہ مکہ کے وادی غیر ذی ذرع سے تشبیہ دیتے تھے) میں دارالعلوم حقانیہ قدرت کا ایک معجزہ ہے۔تو کسی علمی رسالہ کی کامیابی بھی آپکی کرامات میں اضافہ بن سکتی ہے' بہر حال مجلہ ''الحق'' کا پہلا پرچہ ستمبر ۶۵ء میں شائع ہوا' جو مشہور پاک بھارت جنگ کا وقت تھا' اس پہلے پرچے کا اداریہ میں نے رات کو بلیک آؤٹ کے دوران گھر کے بند کمرے میں موم بتی کی روشنی میں لکھا' پرچہ شائع ہوا' اور پہلے ہی پرچہ کو برصغیر پاک وہند کے اجلہ علم وفضل اور مشاہیر علم وادب نے زبردست خراج تحسین پیش کیا' اور آج تک پینتالیس سال سے یہ شمع حق بلاناغہ باطل کے طوفانوں سے نبرد آزما ہے یہ ایک تمہیدی اور ضمنی بات تھی مگر طویل ہوگئی' عرض یہ کرنا تھا کہ اب میرے ہاتھ میں الحق کی شکل میں دنیائے علم وفضل اور گرد وپیش کے تغیرات تبدلات پر اپنے احساسات اور آراء کے اظہار کا ایک مضبوط منبر ومحراب تھا' مذکورہ تینوں جلیل القدر شخصیات کے جدائی پر میں نے ''الحق'' کے شماروں میں مختصر تاثرات کا اظہار کیا' پینتالیس سال قبل کی یہ چیزیں اب قارئین کیلئے بالکل نئی ہونگی' اسلئے اس سفر حرمین کی مناسبت سے یہ تاثرات بھی شریک کئے جارہے ہیں کہ اس سفر سے ان کا ایک تعلق ہے۔

موت العالم موت العالم: مدینہ طیبہ کے ایک مکتوب سے معلوم ہوا کہ حضرت العلامہ المحدث الشیخ محمد بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنی کا طویل علالت کے بعد مورخہ ۲۸ راکتوبر ۱۹۶۵ء بمطابق یکم رجب بروز جمعرات انتقال ہوا۔ دوسرے دن نماز جمعہ کے بعد مسجد نبویؐ میں نماز جنازہ ادا کی گئی اور جنت البقیع میں بالکل اہل بیت کی قبور کے قریب ان کو دفنایا گیا___ مولانا مرحوم نے اپنی زندگی علوم نبویہؐ بالخصوص علم حدیث کی خدمت واشاعت میں صرف کی وہ حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے اجلہ تلامذہ میں سے تھے۔فیض الباری شرح بخاری (چار جلدوں میں) کے ذریعہ انہوں نے حضرت شاہ صاحب کے امالی درس کو مرتب ومحفوظ کر کے علمی دنیا پر عظیم احسان کیا' ان کا دوسرا عظیم کارنامہ ترجمان السنۃ کی تالیف ہے۔ جس میں آپ نے نئے تقاضوں کی روشنی میں احادیث کے تراجم کی از سر نو ترتیب وتبویب اور اردو زبان میں نہایت محققانہ تشریح کا التزام فرمایا۔ جس کی کئی جلدیں شائع ہوچکی ہیں۔ مگر افسوس کہ علالت کی وجہ سے اس کتاب کی تکمیل نہ ہوسکی۔ تقسیم ہند کے بعد آپ نے مدینہ طیبہ ہجرت کی اور بالآخر سنت کے اس ترجمان کو صاحب سنت علیہ السلام کے قدموں میں جگہ ملی' زندگی کے آخری کئی سال بستر علالت پر گزارے' فالج اور ضعف کی وجہ سے خود کروٹ بھی نہ بدل سکتے' مگر پھر بھی آخر دم تک ارشاد واصلاح وعظ وتبلیغ بلکہ درس قرآن وحدیث تک کا سلسلہ جاری رہا۔ بہت بڑے عالم فاضل مناظر محدث اور مصنف ہونے کے علاوہ آپ سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کے شیخ بھی تھے اور زندگی کے آخری دور میں پاک وہند اور عرب ممالک کے علاوہ افریقی ممالک کے حجاج وزائرین نے خاص طور پر آپ سے روحانی فیض پایا۔ حضرت کے وصال کے بعد مدینہ طیبہ میں اب صرف جامع شریعت وطریقت مولانا عبدالغفور عباسی مہاجر مدنی کی مجلس علم وعرفان ہی رہ گئی ہے۔ حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی کے وصال سے علم ومعرفت کی دنیا میں بہت بڑی خلاء محسوس کی جائیگی۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ وبرد اللہ مضجعہ ونور اللہ برہانہ۔ آمین۔ (ماہنامہ الحق دسمبر ۶۵ء ص ۵)

ہاں گیا ان سے مدینہ سے روانگی کا عرض کیا تو خلاف معمول کافی دیر تک محبت اور بڑی شفقت کا اظہار کرتے رہے' دیر تک سینہ سے چمٹائے رکھا اور سر پر ہاتھ پھیر کر علم و عمل کی دعائیں دیں۔ دین اور علوم دین کی حفاظت کی تاکید کرتے رہے' فرمایا کہ افسوس تم نے بالکل عین موقع پر جانے کا الٹی میٹم دے دیا اگر کل پرسوں آپ کہہ دیتے تو بہتر ہوتا۔ پھر کافی دیر تک حسب معمول میرے ساتھ عربی میں گفتگو کرتے رہے' پھر حاضرین مجلس سے کہا کہ یہ طالب علم نہیں عالم ہے ان کے والد بھی بڑا عالم ہیں۔ میں انہیں کافی عرصہ تک جامعہ اسلامیہ کا طالب علم سمجھتا رہا اور جب مجھے معلوم ہوا کہ جامعہ میں نہیں تو میں نے خصوصی توجہ کا ارادہ کیا مگر پھر ان سے ملاقات نہ ہو سکی اور عربی میں اس کے ساتھ اس وجہ سے گفتگو کرتا رہا کہ مجھے مدینہ منورہ میں بیٹھ کر دیگر زبانوں میں بات کرنے میں شرم آتی ہے مگر کیا کروں عربی نہ سمجھنے والوں کا مجمع لگا رہتا ہے' پھر مدینہ منورہ کی جدائی پر دردناک انداز میں روشنی ڈالی اور شعر پڑھے جو افسوس کہ محفوظ نہ رہ سکے۔ اس کے بعد قرآن مجید کے فوائد بیان کرتے رہے۔

شیخ مصطفیٰ سباعیؒ سے ملاقات: اور قبل از مغرب میں ان سے رخصت لے کر شیخ مصطفیٰ السباعی (۱) سے ملنے ان کے ہاں آیا شیخ اکیلے ایک کمرہ میں بستر علالت پر دراز تھے اور چلنے پھرنے سے لاچار تھے' بڑی خندہ روئی

---

(۱) شیخ مصطفیٰ السباعی کے بارہ میں میں نے سفر حج کی چند یادیں کے عنوان سے اپنے تاثرات ظاہر کئے ہیں' اس کا محرک حضرت مولانا بنوری قدس سرہ کی وفات کے بعد ماہنامہ ''بینات'' کا ان کے بارے میں خصوصی شمارہ بنا' ان تاثرات کا تعلق زیادہ تر مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ کی ان ہی ملاقاتوں سے ہے' اس لئے یہاں شیخ سباعی سے متعلق حصہ دیا جا رہا ہے اور آخر میں ان ہی کے عربی میں لکھے ہوئے اپنے سفر حج کے تاثرات کا کچھ حصہ بھی میری تمہیدی عبارت کے ساتھ شامل کیا گیا جس سے شیخ کے حرمین سے والہانہ تعلق وجذبات پر روشنی پڑتی ہے' حضارۃ الاسلام دمشق سے اس مضمون کا میں نے ترجمہ کر کے دو قسطوں میں الحق اپریل' مئی ۶۶ء میں شائع کیا' ہمارے موجودہ قارئین کے لئے یہ سب کچھ قند مکرر نہیں بلکہ پہلی ہی سوغات ہے۔

''عالم عرب کے ایک عظیم داعی اور محقق عالم علامہ شیخ مصطفیٰ السباعی مرحوم بھی اس سال حرمین الشریفین تشریف لائے تھے' شیخ مصطفیٰ السباعی شام کے باشندہ تھے' ان کا وقیع علمی مجلہ ''حضارۃ الاسلام'' دنیائے اسلام میں معروف ہے۔ کئی جلیل القدر کتابوں کے مصنف ہیں' منکرین حدیث اور بعض متجددین نے سنتِ رسول ﷺ کی حجیت کے خلاف جو ہنگامہ کھڑا کیا' اس کے اصل محرک یورپ کے بعض یہودی مستشرقین تھے' ہمارے ہاں بھی غلام احمد پرویز' ڈاکٹر فضل الرحمٰن جیسے لوگ ان معاندین اسلام پروفیسروں اور اسکالروں کا حق تلمذ ادا کرنے میں پیش پیش رہے۔ ادھر عالم عرب میں بھی مصر اور بیروت جیسے خطوں میں انہیں ''وفا شعار'' مستغربین ملے' ایسے ہی کچھ لوگوں نے حجیت وتدوین حدیث اور حدیث کے بعض اولین رواۃ اور مدونین کو نشانہ تحقیق بنایا۔ تو شیخ مصطفیٰ السباعی نے ان لوگوں کے رد میں قلم اٹھایا۔ اور ''السنۃ ومکانتھا فی التشریع الاسلامی'' جیسی جامع اور محققانہ کتاب لکھی' یہ کتاب جامعیت' سلاست بیان اور منکرین حدیث کا تعاقب اور پوسٹ مارٹم کرنے میں ایک مثالی کتاب ہے' اور ہمارے ہاں کے اہل علم کیلئے مطالعہ کی چیز ہے' ہمارے شیخ بنوریؒ بھی جب پاکستان میں اس فتنہ کی ہلاکت آفرینیوں سے بے چین ہوگئے تو انہوں نے ایک وقت پورے شد ومد سے منکرین حدیث اور متجددین کے خلاف علم جہاد بلند کئے رکھا۔ اس ضمن میں آپکی نظر شیخ مصطفیٰ السباعی کی مذکورہ کتاب پر پڑی اور مولانا محمد ادریس میرٹھی کے اردو ترجمہ وتشریح کیساتھ اس کتاب کو اپنے ادارہ سے ''سنت کا تشریعی مقام'' کے نام سے شائع کیا۔ خیر یہ تو اس ملاقات کے بعد (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اور محبت سے ملے تعارف کے بعد دیر تک باتیں رہیں ان سے معلوم ہوا کہ وہ سات برس سے بستر علالت پر دراز ہیں او اس حالت میں بھی تالیف وتصنیف، اور محاضرات کا سلسلہ جاری ہے' فرمایا کہ میں اس حال پر بہت صابر وشاکر ہوں کہ صحت کی حالت میں ادھر ادھر کے مشاغل میں وقت ضائع ہوتا ہے' میں نے بھی تطییب خاطر کے لئے حضرت عمران بن حصین اور علامہ ابن اثیر کے بعض ایسے ابتلائی اور ان کے مثالی صبر وشکر کا ذکر کیا واقعات سنائے سن کر بے حد خوش ہو کے فرمایا' مجھے آرام کی چھٹی ملی تو میں نے اسے جوار رسول اللہ ﷺ میں گزارنے کو پسند کیا' میرے ارادہ سفر شام پر مجھے وہاں ملنے کی بہت تاکید کی' ٹیلیفون نمبرات اور اپنا کارڈ دیا اور کہا کہ وہاں پہونچتے ہی مجھے اطلاع دے دیں میں کسی

(گزشتہ سے پیوستہ)　　کی بات ہے جس کا میں ذکر کر رہا ہوں ___ شیخ مصطفیٰ السباعی مرحوم پر آخری سالوں میں فالج کا حملہ ہوا اور وہ چلنے پھرنے سے معذور ہو گئے۔ اسی دوران وہ حرمین الشریفین تشریف لائے۔ ایام حج سے قبل وہ مدینہ منورہ میں مسجد نبوی کے قریب ایک بوسیدہ اور خستہ سے مکان میں صاحب فراش تھے' میں تلاش کرتے پہنچا' بستر علالت پر دراز' چہرہ بالکل زرد' ضعیف وناتواں' مگر صبر وشکر کا عجیب حال' فرمایا کہ میں اس طویل بیماری کو اللہ تعالیٰ کی نعمت اس لئے بھی سمجھ رہا ہوں کہ صحت کی حالت میں ادھر ادھر کے مشاغل میں وقت ضائع ہوتا ہے' جب مجھے تبدیلی آب وہوا اور سیر وسیاحت کے لئے کہا گیا اور کچھ وقت ملا تو میں نے اسے جوار رسول اللہ ﷺ میں گزارنے کو پسند کیا۔ وہ مسجد نبوی میں حاضری سے بھی معذور تھے' مگر قرب حبیب بھی ان کیلئے عجیب تسکین وسرور کا باعث تھا کہ اپنی صحت میں تیزی سے تبدیلی محسوس کرنے لگے تھے' گونا گوں آلام واسقام نے انہیں نڈھال کر دیا تھا' مگر عشق رسولؐ' قرب رسولؐ اور جذبات جہاد ودفاع حق نے آلام واسقام کو نعمتوں سے بدل دیا تھا' قیام مدینہ کے دوران انہوں نے ایک دن روضہ من ریاض الجنۃ میں منبر رسول علیہ الصلوۃ والسلام کے پاس ایک طویل قصیدہ "مناجاۃ بین یدی الحبیب الاعظم" کے عنوان سے قلمبند کیا' اور خود اسے مواجہ رسول اعظم ﷺ میں پیش فرمایا۔ جن میں مذکورہ کیفیات کا اظہار موجود ہے' اس قصیدہ کے چند اشعار یہ ہیں:

یاسیدی یا حبیب اللہ جئت الیٰ　　اعتاب بابک اشکوا البرح من سقمی
یاسیدی قدتمادی السقم فی جسدی　　من شدۃ السقم لم اغفل ولم انم
الاھل حولی غرقی فی رقادھم　　انا الوحید جفاہ النوم من الم
قدعشت دھراً مدیداً کلہ عمل　　والیوم لاشیئ غیر القول والقلم
یاسیدی طال شوقی الجھاد فھل　　تدعوا الی اللہ عوداً عالی العلم
تاللہ مالھفتی البرء عن رغب　　فی ذی الحیاۃ ولاجاہ ولانعم
وانما طمع فی ان تقول غداً　　لقد ھدیتم الی الاسلام کل عم
ھیھات ان تنطوی للدین رایتہ　　اویھزم الکفر دیناً غیر منھزم
فاکرم الناس من کانت منیّتہ　　فی حومۃ الحق جلداً غیر منھزم
واھون الناس من جاءت منیّتہ　　خلواً من الھم اوخلوا من الھمم
اشکوا الی اللہ شکوی غیر ذی جزع　　فی شدۃ الضر وجھی وجہ مبتسم
مافی قضائک ظلم للعباد ولا　　فیہ الاساءۃ بل محض من الحکم

اس قصیدہ کے بارے میں خود شیخ مصطفیٰ السباعیؒ فرماتے ہیں۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کو بھیج کر آپ کو بلوالوں گا۔ ان کی تصانیف کا ذکر آیا تو فرمایا کہ میری ایک کتاب بھی نہ خریدیں میں اپنے تمام تصانیف آپکو دے دوں گا انکے اخلاق اور خوش مزاج سے بے حد متاثر ہوا انہوں نے حکم دیا کہ خود الماری سے شامی حلاوۃ

(گزشتہ سے پیوستہ) وهي قصيدة طويلة اتجهت فيها بالدعاء الى الله و التجاء ت الى حرم رحمة الواسعة وذكرت فيها رسول الله ﷺ ومعجزاته في شفاء المرضى في حياته عليه السلام ...... وكنت في كل ليلة يؤرقني فيها شدة الالم ازيدفي تلك القصيدة حتى تم منها حينئذ مايقرب من مائة بيت . (حضارة الاسلام ج ۵' ص ۲۷۳)

-مدینہ منورہ میں شیخ سباعیؒ کے ساتھ یہ میری مختصر ملاقات تھی' یہ ۲۹ر ذیقعدہ ۱۳۸۳ھ جمعۃ المبارک کی شام کا واقعہ ہے' حضرت شیخ سباعی صاحبؒ نے مجھے ایک طالب علم سمجھ کر اپنی عالمانہ شفقت ومحبت سے نوازا' وہ خود بستر سے جو زمین پر بچھا ہوا تھا' اٹھ نہیں سکتے تھے مگر مجھے حکماً کہا کہ سامنے الماری سے شامی حلاوۃ کا ڈبہ اٹھا کر لاؤں' اور ان کے سامنے اس میں سے کچھ کھالوں' تا کہ کچھ تو ضیافت ہو جائے' اس کے بعد ان کی ضیافت وشفقت ان کے نہایت وقیع مجلہ ''حضارۃ الاسلام'' کی شکل میں جاری رہی جو ابھی کچھ عرصہ قبل تک ہر ماہ میرے لئے حلاوۃ معنوی وفکری کا موجب بنتی رہی۔ ایام حج قریب ہوئے تو شیخ سباعیؒ مکہ مکرمہ تشریف لے گئے' مناسک حج سے فراغت کے بعد طالب علمانہ تشنگی کی بناء پر پھر مجھے عالم عرب سے آئے ہوئے اعیانِ علم وفضل کی زیارت کی خواہش ہوئی۔ شیخ مصطفیٰ السباعیؒ اس وقت حرم مکہ کے قریب ''فندق شبرا'' میں مقیم تھے اور یہ ہوٹل عرب علماء اور شیوخ کی آرام گاہ بنا ہوا تھا' ۲۲راپریل ۱۹۶۴ء بمطابق ۱۴رذی الحجہ میں فندق شبرا گیا یہاں شیخ کے علاوہ شیخ عبدالفتاح ابوغدہ' استاذ سعید رمضان' السید محمد اعلیٰ الکتانی' احساء کے قاضی القضاۃ قاضی منصور وغیرہ سے بھی ملاقاتیں رہیں۔ جناب مصطفیٰ السباعیؒ کے ساتھ بات چیت میں مودودی صاحب کا ذکر آیا اور ہندوستان کے مولانا ابوالحسن علی ندوی کا بھی' ان کا میری بعض باتوں سے اتفاق تھا' اور فرمایا کہ اول الذکر پر عقلیت کا غلبہ ہے' جبکہ ثانی الذکر پر روحانیت کا' فرمایا المودودی رجل عقلی والشیخ الندوی رجل روحانی' پھر پاکستان سے آئے ہوئے علمائے کرام کا بھی ذکر ہوتا رہا۔ جناب سباعیؒ نے فرمایا مجھے مولانا محمد یوسف صاحب سے ملنے کا اشتیاق ہے' اس سال چونکہ اس نام کے بعض اور اکابر بھی وارد حرمین ہوئے تھے' ایک مولانا محمد یوسف شاہ میر واعظ کشمیر' دوسرے جماعت تبلیغی کے شیخ التبلیغ مولانا محمد یوسف دہلوی' تیسرے حضرت علامہ محمد یوسف بنوری نور اللہ تعالیٰ مرقدہٗ اس لئے جناب شیخ سباعی مرحوم ومغفور نے ایک ایک کا نام گنوا کر اور تجزیہ کرتے ہوئے الگ الگ ایک ایک کا تعارف سنا اور فرمایا کہ مجھے شیخ محمد یوسف بنوریؒ سے ملنے کی آرزو ہے' اور میں مرنے سے قبل ان سے حدیث کی اجازت لینا چاہتا ہوں' کاش کوئی صورت اس کی بن سکے۔ میں نے جناب سباعیؒ سے کہا کہ یہ میری ذمہ داری ہے' میں حضرت بنوریؒ کو یہاں لے کر آؤں گا' فرمایا ہرگز نہیں' یہ تو بے ادبی ہے' اور شانِ طالب علمی کے خلاف ہے' کسی طرح مکان اور وقت کا تعین ہو جائے تو مجھے خود ان کے پاس لے چلیں' میں نے کہا لیس علی المریض حرج۔ اس کے بعد میں نے ایک دن حضرت بنوریؒ سے سباعی صاحبؒ کی ملاقات اور ان کے اس اشتیاق کا ذکر کیا' حضرتؒ بنوری نے فرمایا' وہ ایک جلیل القدر عالم اور اسلام کے خادم ہیں' میں انہیں کیا اجازت حدیث دوں گا' البتہ ملاقات اور زیارت کے لئے ضرور چلیں گے' اس کے بعد ایک دن حضرت بنوریؒ میرے ساتھ فندق شبرا تشریف لے گئے' شیخ سباعیؒ کو معلوم ہوا تو عجیب کیفیت ان پر طاری ہوئی' دیر تک محفل رہی' دونوں اپنی جگہ تواضع اور مسکنت میں ڈوبے ہوئے تھے' اس مجلس میں جناب سباعیؒ کی دیرینہ مراد برآئی' اور انہوں نے باصرار حضرت بنوریؒ سے صحاح ستہ اور احادیث کی دیگر کتابوں میں سند حاصل کی۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(مٹھائی) نکال کر لے لوں یہ انکا اکرام ضیف کا جذبہ تھا خود اٹھنے سے معذور تھے' مگر ضیافت کو نہ چھوڑا شام قریب تھا

(گزشتہ سے پیوستہ) داعی کبیر بطل اسلام شیخ مصطفیٰ السباعی علیہ الرحمۃ جن کا پچھلے سال دمشق میں انتقال ہوا۔ ملت اسلامیہ کے ان مخلص قائدین میں سے تھے جن کی زندگی کے تمام لمحات دینی دعوت اعلاءِ دین کی جان سوزی اور کلمۃ اللہ کی سربلندی کی جدوجہد میں صرف ہوئے دعوت وتبلیغ تصنیف وتالیف جہاد وسرفروشی کا کوئی محاذ ایسا نہ تھا جس کی صفِ اول پر ملت کے اس غمخوار نے باطل کا مقابلہ نہ کیا ہو۔ اس علم وشہرت کے باوجود ان کا دل اسلاف کی محبت سے معمور اور علمی گھمنڈ وغرور سے پاک تھا۔ اور طویل جانکسل علالت کے دوران صبرو رضا کے وہ نقوش ثبت کئے جسکی نظیر مشکل سے ملے گی خوش قسمتی سے اسی سفرحجاز کے دوران جس کے تاثرات آپ نیچے پڑھیں گے اس ناچیز کو بھی مدینہ طیبہ اور مکہ مکرمہ میں ان سے کئی بار ملنے کی سعادت حاصل ہوئی بستر مرگ پر دراز ہونے کے باوجود ان کی ہر بات اسلام کے سوز سے لبریز تھی اور ملتِ مسلمہ کے نشاۃ ثانیہ کیلئے ان کا دل تڑپ رہا تھا۔ (سمیع الحق)

میری خواہش نہیں تھی کہ اپنے پچھلے سال کے سفر بیت اللہ الحرام اور اداء شعار حج کے بارہ میں کچھ لکھتا۔ مگر اس سفر مبارک کے بعض مفید اور عبرت انگیز ونصیحت آموز مشاہدات نے مجھے ''حضارۃ الاسلام'' میں اپنے تاثرات کے اظہار پر آمادہ کیا۔ بارگاہِ خداوندی سے امید ہے کہ اس تحریر کے اغراض ومحرکات کے بدلے مجھے اجر وثواب ملے اور قارئین کے دلوں میں جاگزیں ہو کر بہترین نتائج پیدا ہوں۔ اس سے قبل بھی دو مرتبہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اداء شعائر حج کی توفیق دی۔ پہلی مرتبہ ۱۳۶۴ھ اور دوسری مرتبہ ۱۳۷۱ھ میں جبکہ میں نے کلیۃ الشریعۃ دمشق کے اساتذہ وطلبہ کی جماعت سمیت بلاد مقدسہ کی زیارت کی۔ اسکے بعد میں دو سال تک اس شدید مرض فالج کا شکار رہا جسکے تکلیف دہ اثرات کو اب تک برداشت کرتا رہا ہوں۔ درآنحالیکہ میں خداوند قدوس کے پے درپے انعامات واکرامات اور اسکی مرضیات قضاوقدر کے فیصلوں پر صابر وشاکر ہوں۔ میرا قلم اللہ عزوجل کی قدرتِ کاملہ، جلالت قدسہ کے اظہار اور احسانات عظیمہ کے حق شکر وحمد ادا کرنے سے قاصر ہے۔ پچھلے رمضان المبارک میں اچانک میری مرض میں اضافہ ہوا اور دوکرب اور تکلیف کے ایسے عوارض پیش آئے کہ اس طویل مرض میں مجھے پہلے انکا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا۔ بالخصوص رمضان کی آخری مبارک راتوں میں مرض کی شدت انتہا کو پہنچ گئی۔ درد وآلام کے مارے میری آنکھ نہ لگتی اور رات بھر کروٹیں بدلتا رہتا۔ ان طویل راتوں کی تنہائی میں تفکرات وآلام کے ہجوم کے دوران بارگاہِ خداوندی میں فریادرسی کیلئے ایک قصیدہ موزوں ہوا جس کا عنوان ہے۔ **یا سائق الظعن نحو البیت و الحرم و نحو طیبۃ تبغی سید الامم**

اور کئی راتیں جب درد واذیت کے صدمے ناقابل تحمل ہو جاتے تو مجھ پر رقت طاری ہو جاتی، دل ودماغ میں جذبہ شوق کے طوفان اٹھنے لگتے اور بارگاہِ خداوندی میں نالۂ وشیون کا ظہور اس قصیدہ کے اشعار کی شکل میں ہوتا رہا اور اندرونی جذبات ابیات کے قالب مین ڈھلتے رہے۔ اسی سوز وساز میں تقریباً ایک سو اشعار موزوں ہوئے۔ اس طویل قصیدہ میں مین نے بارگاہِ قدس میں دامن سوال پھیلایا ہے۔ اور اس سے اس کی حرم کی رحمت تک رسائی کی التجائیں کی ہیں۔ حضورﷺ اور ان کے مقدس و پاکیزہ روضۂ مطہرہ دیارِ پاک کا ذکر کیا ہے جہاں حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے دعوت خالدہ اور ابدی پیغام کو پھلنے پھولنے کا موقع ملا۔ نیز اس قصیدہ میں ضعفاء اور مریضوں کی شفاء میں حضورﷺ کے اعجاز مسیحائی اور معجزات باہرہ کا تذکرہ بھی آیا ہے۔ اس کے بعد اشہرحج شروع ہوئے اور میری بیماری دن بدن شدت اختیار کر رہی تھی۔ دعوت حق ندائے ابراہیم خلیل علیہ السلام پر لبیک کہنے والے خوش نصیبوں کی روانگی حجاز مقدس شروع ہو چکی تھی۔ اچانک میرے دل میں بھی یہ تڑپ اور ولولہ بیدار ہوا کہ سفرحج کی مشقتوں میں میں بھی اس کاروانِ عشاق میں شامل ہو جاؤں شاید عرفات کی مبارک شام کی رحمتیں اور برکتیں مجھے بھی اپنے اندر سمیٹ لیں اور اللہ تعالیٰ کی وہ خوشنودی مجھے بھی نصیب ہو جس کی بشارتیں احادیث صحیحہ میں دی گئی ہیں۔ اس جذبہ کے جاگ اٹھنے پر میں نے پاسپورٹ کیلئے کوشش شروع کی۔ ادھر میرے خویش واقارب احباب ورفقاء کو اس ارادے سے سخت حیرت ہوئی اور ازراہِ شفقت اس زار ونزار جان بلب مریض کو اس طویل سفر سے باز رکھنے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

رخصت لیکر چلا آیا مسجد سے متصل مدرسۃ الشرعیۃ کے دارالاقامہ میں مولانا شیر محمد سندھی (۱) سے بھی رخصت لینے گیا۔ وضو فرما رہے تھے بڑی خوشی ظاہر کی اور الوداعی دعائیں دیں۔

(گزشتہ سے پیوستہ)　　کی کوششیں کیں جو ضعف کے مارے بستر علالت پر خود کروٹ بھی نہ لے سکتا تھا۔ بالآخر جب انہیں میرے بارہ مین مایوسی ہوئی تو باصرار سب نے مشورہ دیا کہ مین اولاً مدینہ طیبہ جاؤں اور موسم حج کے اختتام تک وہاں رہوں پھر بعد از موسم حجاج کرام کے ہجوم و اژدحام ختم ہونے پر بغرض عمرہ مکہ معظمہ چلا جاؤں۔ مگر میں نے سوچا کہ اس سے بڑھ کر بدقسمتی اور خسارہ کیا ہوگا کہ اتنا قریب رہ کر بھی میں عرفات کی اس مخصوص رحمت و برکت سے محروم رہوں جو حضرت حق جل مجدہٗ کی جانب سے اس کے وفا شعار بندوں پر اس دن نازل ہوگی اور رحمت سمیٹنے کا یہ قیمتی موقع کھونے کے بعد وہاں جاؤں میں نے اٹل فیصلہ کیا کہ مجھے سعادت حج حاصل کرنی ہے۔ آگے اللہ تعالیٰ کی جو مرضی ہو۔ اگر وہ مجھے بسلامتی واپس لوٹائے تو دولت ایمان وسعادت زیارت حرمین لیکر آجاؤں گا۔ اور اگر اس نے وہاں ہی میری موت کا فیصلہ کیا ہو تو زہے نصیب دیارِ محبوب کی موت اور وصال کی نعمت۔ جس کیلئے میں شدت سے بیتاب ہوں۔ اس سے قبل بیماری کے دوران ہی مجھے تین مرتبہ یورپ جانا پڑا۔ اور ہسپتالوں میں بغرض علاج داخل ہوا۔ میرا آخری سفر یورپ گذشتہ جولائی ۱۹۶۳ء کو ہوا۔ اور وہاں مجھے دماغ کا آپریشن کرانا پڑا۔ ان اسفار میں ہر مرتبہ اور ہر شہر میں مجھے مختلف ممالک کے ایسے مخلص بھائی ملے جو ہر وقت میری تیمارداری اور آرام وراحت پہنچانے میں لگے رہتے محض دینی اور اسلامی رشتہ کی خاطر ایک اجنبی کیلئے رات بھر جاگتے اور ایک مسافر مریض کی پریشانیوں کا بوجھ اٹھاتے۔ پھر کیا اللہ تعالیٰ اس سفر میں مشفق ساتھیوں سے میری دستگیری نہیں فرماوے گا۔ جو سفر کی کلفتوں اور نقل و حرکت کی صعوبتوں میں میری مدد کریں۔ جبکہ میں اس کی بارگاہ عالی میں شفایابی حاصل کرنے جارہا ہوں۔ ان تصورات سے میری ڈھارس بندھ جاتی۔ میرا حوصلہ اور بھی بلند ہونے لگا۔ اور وہ مبارک گھڑی بالآخر آ پہنچی اور میں ۲۳/ ذی قعدہ کو دمشق سے روانہ ہو کر مدینہ منورہ پہنچا اور بارہ روز تک وہاں ٹھہر کر مکہ معظمہ چلا گیا اور تیسری مرتبہ اللہ تعالیٰ نے مجھے فریضہ حج کی ادائیگی کی توفیق دی۔ حج کے بعد چند دن تک مکہ معظمہ کی روح پرور فضاؤں سے لطف اندوز ہوتا رہا اور وہاں سے دوبارہ مدینہ طیبہ لوٹا وطن کی واپسی سے قبل چند دن مزید جوار رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سعادت حاصل کروں۔ لیکن مدینہ طیبہ میں مجھے اچانک ایسی شدید گرمی کا سامنا کرنا پڑا جسکی تاب میرا نحیف ونزار جسم نہیں لاسکتا تھا۔ چنانچہ جلد ہی حجاز کے بہترین اور خوبصورت گرمائی مقام طائف میں چند دن ٹھہرنے کے خیال سے مجھے دوبارہ مکہ معظمہ واپس ہونا پڑا۔ طائف جس سے حضور نبی کریم علیہ السلام کی حیات مبارکہ کے عبرت انگیز واقعات وابستہ ہیں یہاں کا موسم بھی ایک حالت پر نہیں رہتا۔ فالج اور اعصابی مریض کے لئے ایسا موسم بہت مضر رہتا ہے۔ اس لئے چند دن مکہ معظمہ میں ٹھہر کر میں نے واپسی کا عزم کرلیا۔ تاکہ گرمی کا باقی موسم دمشق ہی میں گذار سکوں۔ میں چاہتا ہوں کہ اس تقریب سے ان چند انعامات خداوندی کا ذکر کروں جس سے مجھے خداوند تعالیٰ نے اس سفر میں نوازا اور یہاں کے خیر و برکت کے بارہ میں میرے تصورات، مشاہدات اور یقین سے بدل گئے۔

(۱) <u>مولانا شیر محمد اور تعزیتی اداریہ:</u> کتنی رشک آفرین تھی وہ پاکیزہ زندگی جو پاکستان کے ایک گمنام فرزند حضرت مولانا شیر محمد صاحب سندھی مہاجر مدنی نے مدنی آقا (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مجاورت کے شوق میں مدینہ طیبہ کے ایک گوشہ خمولت میں بسر کی' انہوں نے اپنے وطن سندھ کو خیر باد کہا' تمام خویش واقارب متوسلین اووابستگان کی ایک جماعت سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر مدینہ طیبہ کی غریبانہ سکونت کو ترجیح دی' تقریباً سترہ سال وہاں رہے اور بالآخر ۸۵ برس کی عمر میں ۱۶ر ذی الحجہ ۱۳۸۵ھ کو اپنے محبوب حقیقی سے جاملے' اور جگہ بھی اپنے محبوب مدنی کی آل اطہار کے قدموں میں پائی۔ انہوں نے حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری' حضرت مولانا تھانوی' حضرت مولانا تاج محمود امروٹی (رحمہم اللہ) جیسے اکابر سے تربیت وفیض حاصل کیا' اس دور میں جیسا کہ معاصر علماء کا اعتراف ہے۔ بلاشبہ وہ مناسک حج کے امام تھے' حضرت الامام مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے مختصر رسالہ ''زبدۃ المناسک'' کو انہوں نے برسوں کی محنت اور تحقیق　(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

۳۰رذیقعدہ ۱۳۸۳ھ۔۱۲رمارچ بروز ہفتہ: آج صبح روانگی کا پروگرام تھا مگر برادرم سعید الرحمٰن کی خواہش پر شام تک سفر ملتوی کر دیا ہمارے اقامت گاہ کے قبائلی رفقاء حاجی گل حسن صاحبزادہ اسعد بنوری اور حاجی گل شیر آفریدی دو کاریں لے کر چلے گئے ہم دوپہر تک سامان وغیرہ کی تیاری میں لگے رہے بعد از ظہر مولانا کے ہاں کھانا کھایا' دیر تک مجلس رہی اور بعد از عصر مواجہہ سردار دو جہان علیہ الصلوٰۃ والسلام میں آخری حاضری دی۔ ولا جعلھا اللہ آخر عہد بہ وبمسجدہ۔ بادیدۂ پرنم وچشم گریاں رخصت لی اے اللہ اس حقیر ذرہ کو آپ نے جب یہ شرف دیا اب اس کو اس آفتاب جہانتاب کے شعاعوں سے بھی منور فرمادے اور اس زیارت کو قبول کر کے توجہات محمدیہ کی ضیا پاشیوں سے بھی پرنور بنا دیجئے' اور لغزشات سے درگزر فرمادے۔ **الوداع یا حبیب اللہ الوداع یا شفیع المذنبین الوداع یامن ادیت الامانة و وفیت العھد وبلغت الرسالة الصلوة والسلام علیک یا من بشرة اللہ بکرامته رحمته فی حق الامة عن ظلموا انفسهم حیث قال ولوانهم اذ ظلموا انفسهم جاء وک فاستغفروا اللہ واستیغفرلهم الرسول لوجد واللہ تواباً رحیماً الایۃ۔**

شیخ عباسی اور دیگر شیوخ سے الوداعی ملاقات:

بعد از عصر شیخ عباسی سے بھی آخری ملاقات رہی وہاں بحرین کے قاضی اور دیگر بعض شیوخ سے حضرت نے تعارف کرایا اور حضرت والد صاحب کے احوال انہیں سنائے رخصت لی' برادرم عبداللہ' حسن جان اور لطف اللہ عباسی اڈہ تک چھوڑنے ساتھ گئے' کئی موٹروں سے بات ہوئی آخر میں ایک کاروالے نے بعد از نماز مغرب یہ کہہ کر جانے سے انکار کر دیا کہ حکومت نے بعد از مغرب سفر کی ممانعت کی ہے اگر ہم چلے بھی جائیں تو پہلے ہی چنگی۔ عنبریہ۔ میں روک دینگے۔ ہم خوش ہوئے کہ مرضی مولیٰ از ہمہ اولیٰ الحمدللہ کہ جوار رسول اور مدینہ طیبہ میں ایک رات اور بھی نصیب ہوئی' مغرب اور عشاء کی نمازیں موقف مکہ کے مسجد سباق (گھوڑ دور) میں پڑھیں سامان گاڑی سے اتروا کر دوریال پر ایک قہوہ خانہ میں رکھا اور ہم اپنے رفقاء کیساتھ جامعہ چلے گئے' رات وہاں گزاری

(گزشتہ سے پیوستہ) سے ایک ضخیم کتاب کی شکل دی آخر عمر تک حج وزیارت کے مناسک ومسائل کی تحقیق اور تنقیح ان کا محبوب مشغلہ رہا۔ دو سال قبل راقم کو قیام مدینہ کے دوران ان کی زیارت کی سعادت بارہا حاصل ہوئی (جبکہ وہ باب بصری میں مدرسۃ الشرعیۃ کے دارالاقامہ کے کنج عزلت میں مقیم تھے اور ضعف (پیرانہ سالی میں تمام حوائج ضروریہ خود انجام دیتے) جب بھی انکی خدمت میں حاضری کا موقعہ ملا زبدۃ المناسک کے تعلیقات حواشی اور حک واضافہ میں انہیں مصروف پایا۔ صحن میں ایک پھٹی چٹائی پر بیٹھے اور ارد گرد انہی احکام کے مسودات بکھرے ہوتے' فرمایا کرتے تھے کہ''اس بارہ میں میری مثال اس بڑھیا کی مانند ہے ذرا بھی فرصت پاتی تو چرخہ کاتنے بیٹھ جاتی۔'' بااین ہمہ علم وفضل اور زہد ومشیخت اس فنافی اللہ کی سادگی وارفتگی اور عجز وانکسار کا یہ عالم تھا کہ انہیں دیکھ کر یہ گمان بھی نہ ہوسکتا کہ یہ گدڑی پوش فقیر ایک برگزیدہ عارف باللہ اور اپنے وقت کے مناسک حج کا امام ہے' کیا اچھا ہو اگر ان کے اخلاف اور متوسلین سے کوئی صاحب ان کی سوانح اور مقامات رفیعہ کو قلمبند فرما کر یہاں کے دینی طبقوں کو''زبدۃ المناسک'' کے اس جلیل القدر شارح کے احوال سے روشناس کراسکے۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ ونور اللہ ضریحہ واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔ (الحق جون ۱۹۶۶ء صفر ۱۳۸۶ھ ص ۴)

قسط (۲) مولانا سعید الرحمٰن ندوی ناظم،
فرقانیہ اکیڈمی ٹرسٹ بنگلور، بھارت

قرآن عظیم اور نظام کائنات

عالم طبیعی کی غیر معمولی وسعت اور خارجی زمینوں کی کثرت پر جدید اعجازی قرآنی بصائر

اب رہا پہلا قول تو قدیم زمانے کی ساری کائنات آسمان میں صرف سادہی آنکھ کو نظر آنے والے مٹھی بھر ستاروں کے مختلف مجموعوں (constellations) میں بٹی ہوئی تھی، جو آج بھی برج ہی کے نام سے موسوم ہیں، جیسے برج اسد، برج عقرب، برج ثور، برج حوت وغیرہ وغیرہ۔ یاد رہے کہ یہ کل مجموعے موجودہ فلکیات کی رو سے ہمارے آسمان میں دریافت شدہ ایک کھرب کہکشاؤں میں سے صرف ہماری ایک کہکشاں ہی کا رمق بھر حصہ بھی نہیں ہیں۔ یہ خطہ اس قدر حقیر اور بے وقعت ہے کہ اگر سابقہ منطق ہی کو برقرار رکھ کر موجودہ صرف ایک کہکشاں کو انہیں خطوط پر تقسیم کر دیا جائے تو اس میں ٹھیک اسی طرح کے لاکھوں مزید خطے بھی ثابت ہو جائیں گے۔ اس طرح نہ صرف ہماری ساری کائنات بلکہ خود ہماری ساری کہکشاں بھی ہمارے آنکھوں سے تقریباً اوجھل ہے، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ آسمان کی سابقہ برجوں والی تقسیم حقیقت سے کوسوں دور محض ظن وتخمین پر مبنی قدیم یونانی فلسفے کی پیداوار تھی، جس کا کتاب وسنت سے ذرہ برابر بھی واسطہ نہیں۔ مگر اُس غیر علمی دور میں برجوں سے مراد ستاروں کے ان مجموعوں کا لیا جانا بالکل فطری واضطراری بھی تھا۔ اور آج چونکہ علمی ومشاہداتی طور پر یہ ثابت ہو چکا ہے کہ اس کائنات کی بنیادی تقسیم مٹھی بھر ستاروں کے ان قدیم مجموعوں سے نہیں بلکہ حقیقتاً ان دیوہیکل جھرمٹوں سے ہوئی ہے جنہیں موجودہ زبان میں کہکشاں کہا جاتا ہے، اور چاند اور سورج بھی پہلے انہیں کا جز بن کر پھر آسمان کا حصہ بنتے ہیں تو برج کے قدیم معنے میں وسعت دے کر ان سے کہکشاں مراد لئے جانے میں شرعاً کوئی چیز مانع ہے اور نہ ہی عقلاً۔ اور اس لفظ کی مذکورۂ بالا اصل اور اس کے حقیقی معنے کی تحقیق سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ یہی توجیہ قرین عقل اور اقرب الی الصواب ہے۔ آج یہی کہکشائیں ہیں جو اس کائنات کی عملی اکائیاں (functional units) ہیں۔ ان میں سے ہر ایک ایک علاحدہ نام سے موسوم، ایک خاص ہیئت کی مالک اور ہم سے ایک مخصوص مسافت اور ایک معین طول البلد وعرض البلد پر واقع ہے۔ یہاں تک کہ ان کے دیگر طبیعی خصائص کو بھی انواع واقسام کی دوربینوں کی مدد سے نہایت تفصیلی طور پر قلمبند کیا جا چکا ہے۔ اور آج بازار میں آسانی سے دستیاب صرف ایک متوسط قسم کی بصری دوربین ہی کی مدد سے ہم میں سے ہر کوئی بھی ان کا راست مشاہدہ

کرسکتا اوران کی حقیقی تصاویر تک کھینچ سکتا ہے۔اس طرح اس مفہوم پر حس و مشاہدے کی بھی گواہی حاصل ہو جاتی ہے۔ اس لحاظ سے برج کا سابقہ محدود مفہوم عصر جدید میں علمی وفلکیاتی ترقی کی وجہ سے بے پناہ وسعت اختیار کر جاتا ہے۔اور اگراس کے اس وسیع اور تجربے و مشاہدے پر مبنی حقیقی مفہوم کے بجائے اس کے سابقہ ظنی و قیاسی مفہوم ہی پر اعتماد کیا جائے تو اس کے باعث موجودہ کائنات میں لاکھوں گناہ مزید برج ثابت ہو جائیں گے، کیونکہ موجودہ صرف ایک ہی کہکشاں اس قدر جسیم ہوتی ہے کہ اس میں سابقہ لاکھوں برج سما جاتے ہیں۔

اب ملاحظہ ہو کہ اس آیت میں موجودہ کائنات کی ان بیشمار کہکشاؤں کے لئے ﴿سِرٰجًا﴾ اور ﴿قَمَرًا﴾ بطور صیغہء واحد لائے گئے ہیں، جب کہ فلکیات کی رو سے ثابت ہو چکا ہے کہ ہر کہکشاں میں کھربوں سورج ہوتے ہیں، اور صرف ہماری ایک کہکشاں کے ہمارے موجودہ ایک سورج یعنی نظام شمسی میں اب تک درجنوں چاند دریافت ہو چکے ہیں، جن میں سے کچھ کا مشاہدہ آپ اور ہم ایک نہایت معمولی سی دوربین کی مدد سے بھی کر سکتے ہیں۔اور تو اور خود آیت کی لفظی ترکیب سے بھی لازم آتا ہے کہ ہر کہکشاں میں کم از کم ایک سورج اور ایک چاند ہوں۔ کیونکہ سورج اور چاند اگر صرف ایک ایک ہی ہوتے تو وہ کسی ایک ہی کہکشاں میں ہوتے، اور ''کہکشاؤں میں سورج اور چاند'' کی ترکیب ہی بے معنی ہو جاتی۔ چنانچہ اس کا بہت ہی واضح مطلب یہ ہوا کہ یہاں یہ دونوں الفاظ بھی بطور اسم جنس ہی مستعمل ہوئے ہیں۔ملحوظ رہے کہ قرآن مجید میں بغیر ''الف لام'' اسم جنس کے دلالتاً استعمال کی مثالیں اور بھی ہیں۔ مثلاً آل عمران:۵۰ میں ﴿اٰیَۃٍ﴾، اعراف:۷۸ میں ﴿دَارٍ﴾، یٰس:۳۳ میں ﴿حَبًّا﴾ وغیرہ کے استعمالات۔نیز قرائے کوفہ کے مطابق ﴿سِرٰجًا﴾ کی ایک قرأت بصیغہء جمع ''سُرُجًا'' بھی منقول ہوئی ہے۔علاوہ ازیں خصوصاً اس موقع سے ''الف لام'' کے استعمال سے قطعاً احتراز کئے جانے میں پنہاں ایک نہایت گہری حکمت الٰہی کو ہم اگلے شمارے کے ذریعے ظاہر کریں گے، جس سے بخوبی مستنبط ہوگا کہ یہ بلیغ اور معنی خیز تعبیر قصداً ہی اختیار کی گئی ہے۔

لہٰذا اگر اس آیت کو موجودہ دریافت شدہ تقریباً ایک کھرب کہکشاؤں کے تناظر میں دیکھا جائے تو اس سے لازم آتا ہے کہ اس کائنات میں ہر کہکشاں کے لئے ایک ایک کے حساب سے کم از کم ایک کھرب سورج اور ایک کھرب چاند ہوں، اور زیادہ کی کوئی تحدید نہیں۔ ان میں سے صرف سورجوں کا عدد وہ بھی بالکل درست ہے جو ان ایک کھرب کہکشاؤں کو ان میں سے ہر ایک میں موجود کھربوں ستاروں سے ضرب دینے سے حاصل ہوتا ہے، جس کی عینی شہادت خود جدید فلکیات بھی نہایت صدق و امانت سے دے رہی ہے۔ چنانچہ اب اس پس منظر میں جو بات سب سے زیادہ غور طلب ہے وہ یہ کہ اس کائنات میں جب کم از کم ایک کھرب چاند ہو سکتے ہیں تو آخر اس میں زمینوں کی تعداد کتنی ہوگی؟ کیونکہ جدید فلکیات کی رو سے جہاں چاند موجود ہو وہاں زمین کا وجود بھی لازمی و واجبی طور پر ثابت ہو جاتا ہے۔ سیارے (planet) کے بغیر ذیلی سیارے (satellite) کا وجود ناممکن ہوتا ہے۔ بالفاظ دیگر زمین کے بغیر چاند کا کوئی

تصور ہی نہیں، جیسا کہ خود ہمارا چاند ہماری زمین کا محتاج ہے، اور جیسا کہ ہم اپنے نظام شمسی کے دیگر چاندوں کا مشاہدہ بھی راست طور پر خود اپنی آنکھوں سے کر رہے ہیں کہ وہ سب کے سب کسی نہ کسی زمین ہی کے گرد گھوم رہے ہیں۔ چاند کو چاند اسی لئے کہتے ہیں کیونکہ وہ کسی زمین ہی کے ارد گرد گھومتا ہے۔ لہذا اس منطق کی رو سے موجودہ کائنات میں زمینیں بھی کم از کم ایک کھرب لازم ہوگئیں!! چنانچہ اس سے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ پچھلے دونوں ہی شمارات میں بطور اسم جنس واقع ہونے والی زمینوں کے آسمان کی ہر کہکشاں میں بھی اثبات ہی کی خاطر موجودہ تعبیر کو عمداً اختیار کرتے ہوئے یہاں بھی ان کا تعلق اسی نوع سے ہونے پر زوردار استدلال کیا جا رہا ہے۔

اس کائنات میں زمینوں کی صحیح تعداد کا تخمینہ اس امر سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ صرف ہماری ایک کہکشاں کے ایک متوسط ستارے یعنی ہمارے سورج کے گرد و پیش کم از کم ۸ زمینیں اور ان زمینوں کے اطراف و اکناف پانچ درجن سے بھی زائد چاند گردش کر رہے ہیں۔ علاوہ ازیں خود اسی کہکشاں کے صرف ہمارے قرب و جوار میں اب تک زمینوں سے لدے مزید ۲۰۰ نظامہائے شمسی بھی دریافت ہو چکے ہیں۔ خیال رہے کہ خصوصیت کے ساتھ زمینوں کی تلاش و جستجو میں اب تک ہماری مخصوص دور بینوں کا جولان گاہ بننے والا ہمارا یہ پڑوس ہماری زمین سے ہر جانب کوئی ڈھائی سو نوری سالہ وسیع رقبے ہی پر محیط ہے، جو کہ ایک لاکھ نوری سال قطر کے رقبے پر پھیلی ہوئی ہماری کہکشاں کا ایک لاکھویں حصے سے بھی کئی گناہ کم ہے۔ اس وقت یہ بھی ملحوظ رہے کہ فلکیات کا یہ دعوی بالکل بھی نہیں ہے کہ ہمارے اس پڑوس میں صرف اتنے ہی نظامہائے شمسی موجود ہیں۔ بلکہ اس کا ماننا ہے کہ اب تک یہ صرف اسی قدر اس کے قابو میں آسکے ہیں۔ اور خود انہیں نظامہائے شمسی کی ایک امید افزا حقیقت یہ بھی ہے کہ اب تک ان کی جو بھی زمینیں ہماری گرفت میں آسکی ہیں وہ ساری کی ساری صرف وہ ہیں جو ہماری زمین سے سیکڑوں گناہ ضخیم ہمارے مشتری جیسی یا ان سے بھی کئی گناہ بڑی ہیں، اور ان کی اور امکانی طور پر دیگر نظامہائے شمسی کی نسبتاً چھوٹی زمینیں ابھی تک ہم سے مخفی ہی ہیں۔ بالفاظ دیگر ان نظامہائے شمسی کے مشتری اور زحل تو دریافت ہوگئے مگر ابھی ان کے زہرہ، زمین اور مریخوں کو کھوج نکالنا باقی ہے۔ لہذا اگر موجودہ دور بینوں کو مزید طاقتور بنایا جائے یا علوم و فنون میں ترقی کی بدولت موجودہ دور بینوں سے بھی کوئی اعلی وارفع ٹیکنالوجی دریافت ہو جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ ہمارے صرف اسی پڑوس کی زمینوں کی موجودہ تعداد میں غیر معمولی اضافہ ہو جائے، اور اس کہکشاں کے طول و عرض میں بھی اسی لحاظ سے مزید زمینیں ثابت ہو جائیں۔ غور کیا جاسکتا ہے کہ اگر صرف ایک معمولی کہکشاں اور اس کی موجودہ اور ممکنہ زمینوں کا یہ حال ہے تو موجودہ کائنات کی تقریباً ایک کھرب دیگر کہکشاؤں میں ان کا کیا عالم ہوگا۔ مگر اسوقت یہ بالکل ہی الگ بات ہے کہ یہ زمینیں ہمارے نظام شمسی کے عطارد، زہرہ، زمین اور مریخ جیسی چٹانی (rocky) ہوں جو ہمارے حالیہ علم و عقل اور منطق کے مطابق قابل بود و باش ہوسکتی ہوں یا مشتری، زحل، یورینس اور نیپچون جیسی گیس سے بنی (gaseous) اور ناقابل رہائش۔

اب اس آیت کریمہ کی اعجازی نوعیت کا صحیح اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ صرف ایک ضمیر کے اپنے حقیقی مرجع کی جانب لوٹائے جانے سے وہ کس قدر عظیم معانی ومعارف کو جنم دینے والی ہوجاتی ہے۔ چنانچہ اس سے مترشح ہوتا ہے کہ قرآن مجید نے کائنات میں زمینوں کی زبردست عددی کثرت کو ظاہر کرنے ہی کی خاطر موجودہ مبہم تعبیر کا قصداً استعمال کیا ہے۔ نیز اس سے یہ بھی مستنبط ہوتا ہے کہ قرآن حکیم کسی گہری حکمت ومنصوبہ بندی کے تحت زمینوں کے تعدد کا ذکر راست طور پر نہ کرتے ہوئے ان کے اثبات پر ایسے بلیغ اشارات اور علمی دلائل اپنے اندر رکھتا ہے، یا ان کے تذکرے میں ایسے الفاظ وترکیبات اور تعبیرات کا استعمال کرتا ہے جو صحیح وقت ہی پر پوری طرح عیاں ہوسکیں۔ مثلاً اسی آیت کریمہ میں کہکشاؤں میں زمینوں کے وجود کی خبر راست طور پر اور واضح الفاظ میں نہ دے کر اس پر دلالت کرنے کیلئے یہ بلیغ اشارہ رکھ دیا گیا کہ ان میں چاند ہوتے ہیں۔ یعنی سورج اور چاند کا تذکرہ واضح الفاظ میں کرتے ہوئے زمین کو جو کہ واجبی ولابدی طور پر ان دونوں کی درمیانی کڑی ہوتی ہے اعجازی طور پر محذوف ومقدر کر دیا گیا، تا کہ انسانی علم میں ترقی کے بعد ہی انکا ظہور ہوسکے۔ ذہن نشین رہے کہ سابقہ ادوار میں چاندوں کے تعدد کا تصور تو درکنار انسان خود اس حقیقت سے بھی پوری طرح ناآشنا تھا کہ صرف ہمارے چاند کا وجود بھی ہماری زمین کے وجود ہی کا مرہون منت ہے۔ چنانچہ ہم اس حکمت الٰہی کو اگلے ابواب کے ذریعے ظاہر کرنے کی کوشش کریں گے۔ نیز ﴿بُـرُوْجٌ﴾ سے مراد لئے گئے ہمارے موجودہ مفہوم کو مزید مضبوط ومستحکم کرنے والا ایک نہایت طاقتور ربانی ارشاد اور بھی ہے، جس پر مفصل کلام ہم تیسرے باب میں کریں گے۔

مزید برآں کہکشاؤں میں بطور اسم جنس ﴿سِـرٰجٌ﴾ (سورج) کے وجود کی حالیہ قرآنی تصریح ہمارے لئے ایک اور آفاقی علمی حقیقت اور نہایت گہری بصیرت کی بھی حامل ہے۔ لہٰذا اس سے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ یہ سارے ستارے جنہیں کتاب الٰہی الگ الگ مناسبتوں سے ﴿نُـجُـوْمٌ﴾، ﴿كَـوَاكِـبُ﴾، ﴿مَصَابِيْحُ﴾ وغیرہ اسماء سے موسوم کرتی ہے وہ سب کے سب اپنی اپنی جگہ کے سورج ہی ہوتے ہیں، اور جن کا ایک خطیر حصہ زمینوں کو بھی اپنی آغوش میں لئے ہوئے رواں دواں ہوتا ہے۔ جیسا کہ اوپر گزر چکا خود جدید فلکیات بھی اس قرآنی انکشاف پر اپنی مہر تصدیق پوری طرح ثبت کر چکی ہے۔

اس وقت خصوصیت کے ساتھ ملحوظ خاطر رہے کہ قرآن مجید کے مطابق اب تک ثابت شدہ ساری کہکشائیں اور سارے چاند، سورج اور زمینیں صرف ہمارے دنیوی ایک آسمان ہی کا حصہ ہیں، جیسا کہ ارشاد باری ہے:

﴿إِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِ الْكَوَاكِبِ﴾ (صافات:۶)

ترجمہ: بیشک ہم نے قریبی آسمان کو ستاروں کی زینت سے آراستہ کیا ہے۔

چنانچہ جب ساری کہکشائیں اور ان میں موجود کل ستارے اور سیارے ہمارے عینی وعلمی مشاہدے میں

آنے والے موجودہ صرف دنیوی آسمان ہی کا حصہ ہیں تو اس کا واضح مطلب یہ ہوا کہ بقیہ چھ آسمان اس سے پرے اور ہم سے اوجھل ہیں۔ لہٰذا اس حقیقت کو بھی کتاب الٰہی ان الفاظ میں ادا کرتی ہے: ﴿الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا...﴾ (ملک:۳) ترجمہ: وہ جس نے سات آسمانوں کو طبق در طبق (یعنی ایک کے اوپر ایک) پیدا کیا ہے۔

اب ظاہر ہے کہ جب ساتوں آسمان طبق در طبق ایک کے اوپر ایک بنائے گئے ہیں تو ان میں سے صرف پہلا آسمان ہی ہمیں نظر آئے، اور دیگر چھ آسمان ہم سے مخفی رہیں۔ چنانچہ ہم ان بقیہ آسمانوں کی حقیقت و ماہیت پر بھی اگلے پانچ شمارات کے ذریعے روشنی ڈالیں گے، جس سے ہمارا موجودہ استدلال بھی مضبوط سے مضبوط تر ہوتا چلا جائے گا:

۴- ﴿اَلَمْ تَرَوْا کَیْفَ خَلَقَ اللّٰہُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا. وَّجَعَلَ الْقَمَرَ فِیْهِنَّ نُوْرًا وَّجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا﴾ (نوح:۱۵-۱۶) ترجمہ: کیا تم نے مشاہدہ نہیں کیا کہ اللہ نے کس طرح سات آسمان طبق در طبق پیدا کئے ہیں، اور ان میں چاندوں کو نور اور سورجوں کو چراغ بنایا ہے؟

الفاظ قرآنی سے بالکل عیاں ہے کہ پچھلے شمارے میں سورجوں اور چاندوں کے تعلق سے جس حقیقت کا اظہار صرف ہمارے دنیوی ایک آسمان کے سیاق میں کیا گیا تھا موجودہ شمارے میں ٹھیک اسی صداقت کا بیان ایک کے اوپر ایک طبق در طبق قائم ساتوں آسمانوں کے تناظر میں بھی کیا جا رہا ہے، کیونکہ پچھلے شمارے میں پہلے آسمان کی مختلف کہکشاؤں کے لئے ﴿قَمَرٌ﴾ اور ﴿سِرَاجٌ﴾ جس اعجازی انداز میں بصیغہ واحد لائے گئے تھے ٹھیک اسی طرز پر موجودہ شمارے میں انہیں ساتوں آسمانوں کے لئے بھی مفرد طور ہی پر لایا گیا ہے۔ نیز ان دونوں الفاظ پر داخل ''الف لام'' سے ظاہر ہے کہ یہاں ان کا استعمال بطور اسم جنس ہی ہوا ہے۔ لہٰذا غور کیا جاسکتا ہے کہ پچھلے شمارے میں ہماری جانب سے ''الف لام'' کے بغیر ہی انہیں اسم جنس میں شمار کیا جانا کس قدر حقیقت پر مبنی تھا۔ اب اس کا مطلب یہ ہوا کہ سورجوں اور چاندوں کا وجود ہمارے دنیوی آسمان ہی کے مانند دیگر چھ آسمانوں میں بھی ہے! مگر غور کا مقام ہے کہ یہاں سابقہ شمارے ہی کی طرح ایک اور مرتبہ ان آسمانوں میں بھی زمینوں کے وجود کے صریح بیان سے شدید طور پر گریز کیا گیا ہے۔ اس شدت کا اندازہ اس امر سے بھی کیا جاسکتا ہے کہ ان آسمانوں میں واجبی طور پر ثابت ہونے والی کم از کم خود ہماری موجودہ زمین کو بھی محذوف و مقدر کر دیا گیا ہے۔ البتہ اس ظاہری حذف پر دلالت کرنے کے لئے سابق ہی کی طرح ایک اور مرتبہ یہاں بھی یہ بلیغ اور نہایت معنی خیز اشارہ رکھ دیا گیا کہ ان میں چاند ہوتے ہیں۔ لہٰذا جب ساتوں آسمانوں میں چاندوں کا وقوع بطور اسم جنس ہو رہا ہے تو ان کے وجود سے ہر جگہ لازمی و واجبی طور پر ثابت ہونے والی زمینیں بھی اسم جنس ہی ٹھہرتی ہیں۔

اس طرح اگر موجودہ آسمان کے علاوہ بقیہ چھ آسمانوں میں بھی زمینیں ثابت ہو رہی ہیں تو اب یہ سوال رہ جاتا ہے کہ آخر وہاں ان زمینوں کی تعداد کتنی ہوگی۔ لہٰذا ساتوں آسمانوں میں زمینوں کے وجود کی خبر دینے کے لئے

یہاں لائی گئی مشترکہ تعبیر سے پتہ چل رہا ہے کہ ان میں سے ہر ایک آسمان میں بھی ان کی تعداد میں اتحاد واشتراک پایا جاتا ہے۔ اب جب کہ پچھلے شمارے کے تحت ان آسمانوں میں سے صرف ہمارے پہلے آسمان میں کم از کم ایک کھرب زمینیں ثابت ہوچکی ہیں تو بقیہ ہر آسمان میں بھی ان کی اسی قدر تعداد خود بخود ثابت ہوجاتی ہے! اس طرح اب بالکل عیاں ہے کہ جب پچھلے اور موجودہ دونوں ہی شمارات میں ﴿سِرَاجٌ﴾ اور ﴿قَمَرٌ﴾ اسم جنس ہی واقع ہو رہے ہیں تو آخر اس پر دلالت کرنے کے لئے پچھلے شمارے کے برعکس صرف موجودہ شمارے ہی میں ان پر ''الف لام'' کیوں داخل کیا گیا ہے۔ درحقیقت اس اختلاف تعبیر سے یہ معنی خیز فائدہ پہنچانا مقصود ہے کہ استغراق کے ساتھ سارے ہی سورج اور چاند صرف پہلے ہی آسمان میں موجود نہیں ہیں۔ بلکہ ساتوں آسمانوں میں موجود کل سورجوں اور چاندوں کی نسبت وہ بعض ہی ہیں۔ چنانچہ ''الف لام'' کا دخول جز کے مقابلے صرف کل ہی پر کیا گیا ہے۔ اس طرح موجودہ شمارے میں ان پر داخل ''الف لام'' بیک وقت جنس اور استغراق دونوں پر بھی دلالت کرنے والا ہے۔ ہم اس حکیمانہ تعبیر کی ایک اور مثال اگلے شمارے میں بھی پیش کریں گے، جس سے ہماری مراد میں مزید مضبوطی آسکے گی۔ لہٰذا اس سے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ موجودہ اور پچھلے دونوں شمارات باہم ایک دوسرے کے ابہام کی توضیح وتشریح کرنے والے ہیں۔ اگر سابقہ شمارے میں ﴿قَمَرٌ﴾ اور ﴿سِرَاجٌ﴾ کی جنسیت کے تعلق سے رہے سہے ابہام کو بھی موجودہ شمارے نے دور کردیا ہے تو خود موجودہ شمارے میں ساتوں آسمانوں میں زمینوں کی صحیح تعداد کا پتہ سابقہ شمارے ہی کے ذریعے چل سکا ہے۔ اب چوتھے باب میں ہم موجودہ شمارے کی آیات پر خود ان کے سیاق وسباق سے بھی روشنی ڈالیں گے، جس سے ان کا اعجازی پہلو مزید نمایاں ہوکر ہماری مراد اور زیادہ مضبوط ومستحکم ہوجائے گی۔

اس وقت یہ حقیقت بھی پیش نظر رہے کہ یہاں بیان کردہ ﴿أَلَمْ تَرَوْا﴾ (کیا تم نے مشاہدہ نہیں کیا؟) سے کسی بھی طرح لازم نہیں آتا ہے کہ یہ ساتوں آسمان ہماری رویت بصری میں بھی ہوں، کیونکہ اس لفظ کا اطلاق یکساں طور پر رویت علمی پر بھی ہوتا ہے، اور یہاں وہی مراد بھی ہے۔ کیونکہ جیسا کہ ہم ابھی اسی باب میں کچھ ہی آگے ثابت کریں گے کہ ان بقیہ آسمانوں پر بھی جدید انسان مسلسل علمی وعقلی دلائل وشواہد مرتب کرتا جارہا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید ہمارے موجودہ استدلال کو تقویت پہنچاتے ہوئے ایک اور جگہ ساتوں آسمانوں میں بھی زمینوں کے وجود کا ایک نہایت جامع بیان اس طرح کرتا ہے:

۵- ﴿قُلْ أَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُونَ بِالَّذِي خَلَقَ الْأَرْضَ فِي يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُونَ لَهُ أَنْدَادًا، ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ. وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَبٰرَكَ فِيْهَا وَقَدَّرَ فِيْهَآ أَقْوَاتَهَا فِيْٓ أَرْبَعَةِ أَيَّامٍ، سَوَآءً لِّلسَّآئِلِيْنَ. ثُمَّ اسْتَوٰٓى إِلَى السَّمَآءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْأَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا أَوْ كَرْهًا، قَالَتَآ أَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ. فَقَضٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوَاتٍ فِيْ يَوْمَيْنِ وَأَوْحٰى فِيْ كُلِّ سَمَآءٍ أَمْرَهَا، وَزَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا

بِمَصَابِيحَ، وَحِفْظًا، ذٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ﴾ (حم سجدہ: ۹-۱۲)

ترجمہ: کہئے کہ کیا تم اُس ذات کا انکار کرتے ہو جس نے زمینوں کو دو دن میں پیدا کیا اور تم اس کے شریک ٹھہراتے ہو، وہی سارے عالموں کا رب ہے۔ اس نے چار دن میں ان زمینوں میں اوپر سے پہاڑ بنائے، ان میں برکت بھی دی اور ان کی غذاؤں کا اندازہ بھی کیا ہے، (یہ جواب) پوچھنے والوں کے لئے پورا ہے۔ پھر وہ آسمانوں کی جانب متوجہ ہوا جب کہ وہ دھویں کی حالت میں تھے، پھر آسمانوں اور زمینوں سے کہا کہ تم دونوں خوشی سے آؤ یا کراہت سے، دونوں نے کہا ہم بخوشی ہی آتے ہیں۔ پھر اس نے انہیں (یعنی زمینوں کو) دو دن میں ساتوں آسمانوں میں درست کر دیا، اور ہر آسمان میں اس کے امر کی وحی فرمائی، اور ہم نے قریبی آسمان کو بھی کچھ چراغوں سے آراستہ کیا ہے، اور حفاظت کی خاطر بھی، یہ ہے ہمہ قوت اور ہمہ علم ذات کا اندازہ۔

چار اور دو کل چھ دن کی تخلیق کے بیان سے ظاہر ہے کہ یہاں ساتوں آسمان اور ان میں موجود دیگر تمام اجرام کس طرح منصہء وجود پر آئے اسے قدرے تفصیل سے بیان کیا جا رہا ہے، کیونکہ باریٔ تعالی نے جس کے پیدا کرنے میں پورے چھ دن لگائے ہیں وہ کل مظاہر فطرت ہیں۔ لہذا اس سے مستنبط ہوتا ہے کہ پچھلے شمارات کے نقش قدم پر یہاں بھی صرف ہماری ایک زمین نہیں بلکہ بطور اسم جنس کائنات کی ساری ہی زمینوں کی خلقت کا بیان ہو رہا ہے۔ اس نقطہء نظر کو جلا بخشنے والی ہماری دوسری عقلی اور انتہائی اہم دلیل یہ ہے کہ باریٔ تعالی کو جب ساتوں آسمانوں کے پیدا کرنے میں کل چھ دن لگے ہوں تو ان میں سے دو تہائی یعنی پورے چار دن اکیلی ایک زمین کے پیدا کرنے میں کس طرح لگ سکتے ہیں؟ ذہن نشین رہے کہ ہماری زمین اپنے کل مادے کے اعتبار سے موجودہ کائنات کی بنسبت کسی بھی شمار میں نہیں آسکتی ہے، بلکہ اس کا تناسب بالکل نہیں کے برابر ہی ہے۔ کیونکہ اگر اس کے سارے مادے کا تناسب تنہا اپنے سورج کے مادے ہی سے نکالا جائے تو بھی وہ اس سے تقریباً تیرہ لاکھ گناہ کم ہوتا ہے۔ خود ہمارے نظام شمسی ہی میں دیگر آٹھ سیارے ہیں جن میں سے چار کا حجم اس سے بھی ۱۵ تا ۳۱۸ گناہ بڑا ہے۔ اور ہمارے سورج کا حجم اپنی کہکشاں کے حجم سے کوئی چار کھرب گناہ کم ہے۔ اسی طرح ہماری کہکشاں کا حجم ہمارے آسمان میں اب تک دریافت شدہ کہکشاؤں کے حجم سے کم از کم ایک کھرب گناہ کم ہے۔ ایک تخمینے کے مطابق اگر ہمارے سمندروں میں موجود ساری ریت کے دانوں کو صرف اسی ایک آسمان کا مادہ تصور کر لیا جائے تو اس کی بنسبت ہماری زمین کے مادے کی مقدار بتانے کے لئے ریت کا ایک دانہ بھی دسیوں لاکھ گناہ بڑا ہو جائیگا!! یہ ہوئی مادے کی ناقابل تصور عظیم اور حواس باختہ حقیقت۔ اب اگر اس کل مادے میں خلائے آسمانی کو بھی جوڑ کر ان دونوں کا تناسب نکالا جائے تو اس کائنات میں ہر ۷ء۶ مکعب میٹر (cubic meter) خلا کے مقابلے صرف ایک ہیڈروجن ایٹم کی مقدار برابر مادہ رہ جاتا ہے، جس سے خلائے آسمانی کی بیکراں وسعتوں کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اور اس پر مستزاد دیگر چھ آسمانوں اور ان میں موجود اجرام کا

مادہ بھی۔ لہذا اس کا واضح مطلب یہ ہوا کہ زمینوں کو بھی اس کائناتی مادے کے اعتبار سے لاتعداد ہونا چاہئے۔

مگر کائنات کے اس عظیم الجثہ مادے اور اس کی لامحدود وسعتوں پر قیاس کرتے ہوئے خود زمینوں کی اس بے انتہا کثرت پر استدلال کرتے وقت یہ حقیقت بھی مدنظر رہے کہ زمینوں کا وجود اپنے آپ میں آزاد اور خودمختار نہیں ہوتا ہے۔ کیونکہ ان کا وجود ان کے اپنے محور و مراکز سورجوں کے وجود پر موقوف ہوتا ہے، اور خود سورجوں کا وجود اپنی کہکشاؤں کے وجود پر، کہکشاؤں کا وجود خود اپنے مجموعوں (galactic clusters) کے وجود پر اور کہکشانی مجموعوں کا وجود ممکنہ طور پر ان کے اپنے اعلیٰ وارفع مجموعوں (super clusters) کے وجود پر وغیرہ وغیرہ۔ اس طرح سارے ہی اجرام سماوی ایک دوسرے سے جڑ کر خود اپنے وجود کے لئے دوسروں کے وجود پر منحصر ہوتے ہیں۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ وہ بغیر کسی ظاہری سہارے کے خلا میں ایک ہمہ گیر قانون تجاذب (universal law of gravitation) کے تحت ایک دوسرے کو تھامے ہوئے محو گردش ہوتے ہیں، جسے قرآن حکیم نہایت بلیغ تعبیر کے ذریعے اور ایک آفاقی علمی وسائنسی حقیقت کے روپ میں ''نظر نہ آنے والے ستون'' قرار دیتا ہے:

﴿خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا...﴾ (لقمان:۱۰)

ترجمہ: اس نے آسمانوں کی تخلیق تمہیں نظر نہ آنے والے ستونوں سے کی ہے۔

یہاں نحوی ترکیب کے اعتبار سے ﴿تَرَوْنَهَا﴾ جملہ فعلیہ ہے اور ﴿عَمَدٍ﴾ کی صفت واقع ہو رہا ہے۔ خود اکثر متقدمین کے نزدیک بھی اس ترکیب کا احتمال ضرور موجود ہے۔ چنانچہ اس آیت کریمہ کے معنے یہ ہوئے کہ اجرام سماوی کے ستون تو ضرور موجود ہیں، جو انہیں آپس میں ٹکرانے یا گرنے سے نہایت مضبوطی سے تھامے ہوئے ہیں، مگر ان کی ساخت و پرداخت کی نوعیت ایسی ہے کہ وہ ہماری نظروں سے اوجھل ہیں۔ لہذا یہ اس قدر طاقتور اور غیر مرئی ستون جدید سائنس کے دریافت شدہ اور ناقابل تردید طور پر ثابت کردہ ہمہ گیر قانون تجاذب کے علاوہ اور کیا ہو سکتے ہیں!

چنانچہ اس استدلال کی رو سے ان چاردنوں کی تخلیق میں نہ صرف ساتوں آسمانوں کی ساری زمینوں اور ان کے مراکز سورجوں بلکہ ان سے اس ہمہ گیر قانون تجاذب کے ذریعے جڑے کل اجرام سماوی کی بھی خلقت لازم آجاتی ہے۔ مگر ذکر میں تفرد کی وجہ سے کائنات میں مرکزی ورئیسی حیثیت زمینوں ہی کو حاصل ہوتی ہے، اور ان کا اثر ونفوذ ساتوں آسمانوں کے ہر ہر خطے میں بھی ثابت ہو جاتا ہے۔ اس طرح اگر پچھلے شمارے میں لفظی صراحت کے بغیر ہی ساتوں آسمانوں میں صرف تابع چاندوں کے وجود سے ان کی متبوع زمینوں کے بھی لازمی وجود پر استدلال کیا گیا تھا تو موجودہ شمارے کی پہلی آیت میں وہاں زمینوں کے وجود سے خود ان کے متبوع سورجوں کے بھی واجبی وجود پر دلیل قائم کی جارہی ہے۔ چنانچہ زمینوں کے وجود سے سورجوں کے وجود پر استدلال کرنے کا ایک اور مرتبہ بہت ہی واضح اور نہایت دوررس مطلب یہ ہوا کہ کائنات میں اول الذکر کی نوعیت مرکزی و بنیادی اور آخر الذکر کی حیثیت ثانوی واضافی

ہوتی ہے۔ یعنی سورجوں کو حقیقی طور پر زمینوں اور ان میں بسی مخلوقات کا تابع و منقاد ہی بنا کر پیدا کیا گیا ہے۔ زمینیں اگر چہ ظاہری اعتبار سے سورجوں کے ماتحت رہ کر ان کے اطراف محو گردش رہتی ہیں مگر حقیقتاً آخر الذکر ہی اول الذکر اور ان میں بسی مخلوق کی ضروریات کی تکمیل میں لگے ہوئے ہمہ وقت انکے خدمت گار بنے رہتے ہیں، جیسا کہ ارشاد باری ہے: ﴿وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ...﴾ (نحل:۱۲)

ترجمہ: اللہ نے شب و روز کو، سورج کو اور چاند کو تمہارے ہی تابع کیا ہے۔

لہذا سورج جب انسان کا تابع و خادم بنا کر پیدا کیا گیا ہے تو وہ بدرجہ اتم ان کے مستقر زمین کا بھی ٹھہرتا ہے، جیسا کہ آج یہ حقیقت ہمارے تجربے و مشاہدے میں بھی علم الیقین کی حد تک آچکی ہے۔ اس طرح خادم سورجوں کا وجود مخدوم زمینوں کے وجود کے بغیر مہمل اور بے معنی ہو جاتا ہے۔ چنانچہ ساتوں آسمانوں میں جہاں جہاں اور جس قدر بھی سورج موجود ہوں اصولی اور عمومی طور پر وہاں اسی قدر زمینیں بھی ثابت ہو جاتی ہیں!! اس طرح ان دونوں تصریحات کے ذریعے انسان کے عمومی علم و مشاہدے میں آنے والی کائنات کی جلی صداقتوں یعنی سورجوں کو بنیاد بنا کر عام طور پر اس سے مخفی و مجہول رکھی گئی اس کی خفی صداقتوں یعنی ان کی متعلقہ زمینوں کے وجود پر استدلال کیا جا رہا ہے۔ بالفاظ دیگر آج ہمیں ان حقائق کی بنیاد پر جنہیں سائنس دریافت کر سکتی ہے ایسے حقائق سے بھی مطلع کیا جا رہا ہے جو عموماً اس کے دائرے عمل سے باہر ہیں۔

زمینوں کی کثرت پر ہمارے ان علمی و عقلی دلائل کی نقلی و شرعی تائید خود اسی پہلی آیت کا آخری فقرہ ﴿ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ بھی ہے، جس کے ذریعے زمینوں کی پیدائش کے تذکرے کے فوری بعد باریٔ تعالی اپنا تعارف نہایت بلیغ اور جامع ترین الفاظ میں ''سارے عالموں یعنی ساری کائنات کے پروردگار'' کے طور پر کراتا ہے۔ چنانچہ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ﴿رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ کا استعمال ﴿الَّذِىْ خَلَقَ الْاَرْضَ﴾ کے بدل ہی کے طور پر کیا گیا ہے۔ یعنی یہاں زمینوں کی تخلیق سے مراد ہی باہم ایک دوسرے کے سہارے قائم کل اجرام سماوی کی تخلیق لی جا رہی ہے۔ اب ﴿الْعٰلَمِيْنَ﴾ سے مراد ساری کائنات ہونے پر مفصل و مدلل گفتگو ہم آگے کریں گے۔ لہذا اس تفصیل سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ یہاں بھی ﴿الْاَرْضُ﴾ کا استعمال بطور اسم جنس ہی ہوا ہے۔

اس سلسلے کے دیگر دلائل خود اسی شمارے کی اگلی آیات اس طرح فراہم کر رہی ہیں کہ باریٔ تعالی زمینوں کی تخلیق (یاد رہے کہ ہم یہاں تفہیم میں آسانی کی خاطر ابھی ابھی ان زمینوں کے وجود سے واجبی طور پر ثابت ہونے والے دیگر اجرام سماوی کو قصداً خاطر میں نہیں لے آرہے ہیں) کے بعد آسمانوں کی جانب متوجہ ہوا، جو اس وقت دھوئیں کی شکل میں تھے۔ ملحوظ رہے کہ یہاں جس طرح ﴿الْاَرْضُ﴾ اسم جنس واقع ہو رہی ہے ٹھیک اسی طرح اور اسے مؤکد کرنے ہی کے لئے ﴿السَّمَآءُ﴾ کا استعمال بھی اسی معنے ہی میں ہو رہا ہے۔ اسی لئے ان دونوں اجناس کو بصیغہ تثنیہ

﴿ائْتِيَا طَوْعًا أَوْ كَرْهًا﴾ کہا جارہا ہے۔ پھر ملاحظہ ہو کہ کل زمینوں اور کل آسمانوں پر بصیغہ واحد اور بطور اسم جنس جاری موجودہ گفتگو کو اب ﴿فَقَضَاهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ﴾ کے ذریعے اچانک اور اعجازی طور پر تبدیل کرتے ہوئے ان دونوں اجناس میں سے ہر ایک کو بصیغہ جمع علاحدہ کرتے ہوئے ﴿الْأَرْضُ﴾ کو ﴿فَقَضَاهُنَّ﴾ اور ﴿السَّمَآءُ﴾ کو ﴿سَبْعَ سَمٰوٰتٍ﴾ کے ذریعے ظاہر کیا جارہا ہے۔ اس طرح یہاں ضمیر جمع مؤنث غائب کا قریبی مرجع ﴿الْأَرْضُ﴾ ہی ٹھہرتی ہے۔ چنانچہ اس اعجازی فقرے کا حقیقی مطلب یہ ہوا کہ جب ساتوں آسمان اور ساری زمینیں حکم الٰہی کی بجاآوری کرتے ہوئے بخوشی اس کے حضور میں جمع ہو گئے تو اس نے ان ساری زمینوں کو دو دن میں ساتوں آسمانوں میں درست واستوار کر دیا۔ اب غور کیا جاسکتا ہے کہ زمین اگر ایک ہی ہوتی تو یہ ساتوں آسمانوں میں کس طرح ہوتی؟ واضح رہے کہ خود صاحب تفسیر کبیر امام رازیؒ نے بھی یہاں ساری ہی زمینیں مراد لی ہیں۔

نیز یہاں ساتوں آسمانوں میں صرف زمینوں کی تخلیق کے ذکر پر اکتفا کرتے ہوئے ان کے مراکز سورجوں کی بھی جس واجبی تخلیق کی لفظی صراحت کو اب تک محذوف ومقدر رکھا گیا تھا اب اسے اچانک اس شمارے کے بالکل آخر میں ﴿وَزَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ﴾ (اور ہم نے قریبی آسمان کو بھی کچھ چراغوں سے آراستہ کیا ہے) کے ذریعے نہایت معنی خیز انداز میں ظاہر کرتے ہوئے یہ سبق دیا جارہا ہے کہ یہاں شروع ہی سے کلام کائنات کی کل زمینوں اور ان کے متعلقہ سورجوں کے تناظر میں ہو رہا ہے۔ اس طرح اس تعلق سے اوپر بیان کردہ ہمارے علمی وعقلی دلائل عین مطابق نقل وشرع ٹھہر جاتے ہیں۔ نیز اس وقت تعبیر کا یہ حکیمانہ فرق بھی ملحوظ رہے کہ ابتدائے شمارہ میں اگر ساتوں آسمانوں میں سورجوں کو مقدر کرتے ہوئے صرف ان کی ماتحت زمینوں کا تذکرہ کیا گیا تھا تو اب اس کے برعکس آخر میں موجودہ فقرے کے ذریعے ہمارے پہلے آسمان میں صرف سورجوں کا ذکر کرتے ہوئے پہلے ہی سے ثابت شدہ زمینوں کو مقدر کر دیا گیا ہے۔ لہٰذا اس کا واضح مطلب یہ ہوا کہ قرآن حکیم جس طرح صرف چاندوں کے وجود سے ان کے مراکز زمینوں کے یقینی وجود پر دلیل قائم کرتا ہے ٹھیک اسی طرح کبھی صرف سورجوں کے ذکر سے ان کی متعلقہ زمینیں بھی مراد لیتا ہے، اور کبھی محض زمینوں کے بیان سے ان کے مراکز سورجوں کے بھی مراد ہونے پر دلیل قائم کرتا ہے۔

مزید برآں یہاں ﴿مَصَابِيحَ﴾ پر دوبارہ غور کیا جائے جو ''الف لام'' کے بغیر بطور نکرہ واقع ہو کر خبر دے رہا ہے کہ دنیوی آسمان میں موجود سورجوں کی تعداد میں استغراق مقصود نہیں ہے۔ چنانچہ یہاں جس قدر بھی سورج موجود ہیں وہ کل نہیں ہیں۔ یاد رہے کہ شمارہ نمبر ۳ میں بھی ﴿سِرَاجٌ﴾ اور ﴿قَمَرٌ﴾ کو اسی طرح نکرہ کے طور پر لا کر ٹھیک یہی سبق دیا جاچکا ہے۔ جبکہ شمارہ نمبر ۴ کے تحت انہیں ''الف لام'' کیساتھ بطور معرفہ دوہرا کر یہ فائدہ پہنچایا گیا تھا کہ استغراق کے ساتھ کل سورجوں، چاندوں اور زمینوں کا وجود ساتوں آسمانوں میں ہے۔ اسی لئے سارے آسمانوں میں پھیلائی گئی ان بے شمار زمینوں کی تخلیق میں پنہاں باری تعالیٰ کی اس عظیم حکمت ومصلحت اور بے نظیر منصوبہ بندی کا اظہار ﴿ذٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ﴾ (یہ ہے ہمہ قوت اور ہمہ علم ذات کا اندازہ) کے ذریعے کیا جارہا ہے۔ (جاری ہے)

مولانا حذیفہ غلام محمد وستانوی
استاذ جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا نندور بار انڈیا

اعتکاف: فضائل ومسائل

اعتکاف کیا ہے؟

اعتکاف عربی زبان کا ایک لفظ ہے جس کے معنی ٹھہرنے اور اپنے آپ کو روک لینے کے ہیں۔ اصطلاح شریعت میں روزہ دار کا جماعت والی مسجد کے اندر بہ نیت اعتکاف اپنے آپ کو مخصوص چیزوں سے روکے رکھنے کا نام ہے۔ (کتاب التعریفات: ۲۷)

ثبوتِ اعتکاف از قرآن:

فرمانِ باری تعالی ہے: ولا تباشروھن وانتم عٰکفون فی المسٰجد۔ (سورۃ البقرہ: ۱۸۷) ترجمہ: اور ان بیبیوں (کے بدن) سے اپنا بدن بھی (شہوت کے ساتھ) مت ملنے دو جس زمانہ میں کہ تم لوگ اعتکاف والے ہو، جو کہ مسجدوں میں ہوا کرتا ہے، آیتِ مذکورہ اعتکاف کے معنی شرعی پر صراحتاً دال ہے۔

ثبوتِ اعتکاف از حدیث:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہے کہ رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام شب بیدار رہتے تھے، اپنے اہل کو بھی بیدار کرتے تھے اور عبادت کے لئے کمر بستہ ہو جاتے تھے۔ (الصحیح لمسلم: ۱/۳۷۲، کتاب الاعتکاف، باب الاجتھاد فی العشر الاواخر)

فضیلتِ اعتکاف:

جو شخص خلوص کے ساتھ رمضان کے اخیر عشرہ کا اعتکاف کرتا ہے، اس کے پچھلے تمام گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں، اور دو حج اور دو عمرہ کا ثواب ملتا ہے، نیز چالیس دن تک سرحدِ اسلام کے محافظ کا درجہ حاصل ہوتا ہے اور جو چالیس دن تک سرحدِ اسلام کی حفاظت کرتا ہے اللہ تعالی اس کو گناہوں سے اس طرح پاک صاف کر دیتا ہے جیسا کہ نومولود بچے کا حال ہوتا ہے۔ (بہشتی زیور: ۳/۷۴)

سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ معتکف بحالتِ اعتکاف گناہوں سے باز تو رہتا ہی ہے

لیکن (مسجد سے نہ نکلنے کی وجہ سے) جن حسنات سے وہ محروم رہتا ہے وہ تمام حسنات بفضل الٰہی اس کے ذخیرۂ حسنات میں جاری رہتی ہیں۔ (سنن ابن ماجہ: ۱۲۷) حدیث مذکور میں اعتکاف کے دو مخصوص فائدے بیان کیے گئے ہیں:

(۱) معتکف بوجہِ اعتکاف سیئات سے محفوظ و مامون ہو جاتا ہے۔

(۲) بہت سے اعمال صالحہ جیسا کہ مریض کی عیادت، جنازہ میں شریک ہونا، اعزاء واقرباء کے ساتھ ہمدردی وغم خواری اور دیگر اعمال صالحہ جو اعتکاف کی وجہ سے ترک ہو جاتے ہیں، ان کا اجر وثواب بلا عمل کے ملتا رہے گا۔ واللہ اکبر!

نیز معتکف فرض نماز باجماعت کا ثواب بھی حاصل کرتا رہتا ہے، بایں طور کے معتکف فرض نماز باجماعت ادا کرنے کے بعد دوسری فرض باجماعت نماز کے انتظار میں رہتا ہے، تو اس کو ہمہ وقت فرض باجماعت ادا کرنے کا ثواب ملتا رہے گا، اور رمضان المبارک کی فضیلت الگ ہے، اگر ظاہری حساب کیا جائے تو یہ ہوسکتا ہے کہ اعتکاف اکثر جامع مسجد میں ہو، جہاں ایک رکعت کا پانچ سو رکعات کے برابر ثواب ملتا ہے، تو چار رکعات کا ثواب ۵۰۰×۴=۲۰۰۰ دو ہزار، اور جماعت کا ستائیس گنا ثواب ہوتا ہے، اس لئے ۲۰۰۰×۲۷=۵۴۰۰۰ چون ہزار پھر رمضان شریف میں ایک فرض کا ثواب ستر گنا ہوتا ہے تو ۵۴۰۰۰×۷۰=۳۷۸۰۰۰۰ سینتیس لاکھ اسی ہزار، تو خلاصۂ کلام یہ ہوا کہ معتکف کو ہر وقت سینتیس لاکھ اسی ہزار فرض پڑھنے کا ثواب ملتا رہتا ہے، اور اللہ جل شانہ کی رحمت کا کیا ٹھکانہ ہے، صرف چار رکعات ہی سے خوش ہو جائیں، تو قیامت کے دن میزانِ عمل کے پڑلے کو بھر دیں گے، اللہ تبارک وتعالیٰ اعتکاف کی اہمیت وعظمت اور قدر وقیمت ہمارے قلوب واذہان میں پیدا فرمائیں اور امتثال اعتکاف سنت کی توفیقِ ارزانی نصیب فرمائیں۔ آمین!

حکمت اعتکاف مع وجہِ مشروعیت: حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں "کہ مسجد میں اعتکاف کرنا یعنی سب سے کٹ کر اور سب سے ہٹ کر اپنے مالک کے آستانہ پر جا پڑنا، جمعیتِ خاطر کا سبب ہے، دل کی صفائی اور پاکیزگی کا ذریعہ ہے، اس سے عبادت کیلئے یکسوئی حاصل ہوتی ہے، اعتکاف ملائکہ سے مشابہت پیدا کرنے کا بہترین وسیلہ بھی ہے، اور اس میں شب قدر کی تلاش میں لگ جانا بھی ہے، اسی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کے آخری عشرہ کا اعتکاف پسند فرمایا ہے، آپ ﷺ ہر سال اہتمام سے رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف فرماتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کیلئے اس کو مسنون کیا ہے۔" (حجۃ اللہ البالغۃ: ۹۷) نیز اعتکاف اپنی روح اور اصل کے اعتبار سے مقاصدِ صوم کی تکمیل، اور ہر طرف سے یکسو ہو کر اللہ سے لو لگانا، اور اپنا تعلق وابستہ کرنا ہے۔

معتکف کی مثال: معتکف کی مثال اس شخص کی مانند ہے جو مولائے کریم کی چوکھٹ پر اپنا سر رکھ دے اور یوں گویا ہو کہ اے میرے رب! اے میرے رب! ایک نہایت گنہگار بندہ جس نے دنیا کا کوئی گناہ نہیں چھوڑا، آپ کے

دروازے پر آیا ہے، آپ معاف فرمادیں یا گرفت فرمائیں، آپ کے در کے سوا اس کے لئے کوئی پناہ گاہ نہیں ہے، اگر چہ میرا جیسا اور کوئی ذلیل وخوار نہیں ہے، مگر اے کریموں کے کریم! آپ جیسا کوئی کرم فرمانے والا اور معاف فرمانے والا بھی کوئی نہیں ہے، اس لئے جب تک آپ میری مغفرت و بخشش نہ فرمادیں اور رحم و کرم عفو و کرم کا معاملہ نہ فرمائیں، میں اپنا سر نہ اٹھاؤں گا، گویا وہ یوں کہتا ہے ۔

کھٹکھٹاتا ہوں تیری چوکھٹ میں — کیا ٹھکانہ گر نہ دے ہیہات تو
گو کثیر المعصیت انسان ہوں میں — ہے مگر رحمٰن مخلوقات تو
نکل جائے دم تیرے قدموں کے نیچے — یہی دل کی حسرت یہی آرزو ہے

اگر حقیقتِ حال دل یہی ہو تو اللہ تعالیٰ کی ذاتِ کریم سے قوی ترین امید ہے کہ وہ اس کی مغفرت فرمادے ، کیوں کہ رحمتِ الٰہی بہانہ می جوید بہانمی جوید۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے کہ ۔

تو وہ داتا ہے کہ دینے کے لئے — در تیری رحمت کے ہیں ہردم کھلے
خدا کی دین کا موسیٰ سے پوچھئے حال — کہ آگ لینے کو جائیں تو پیمبری مل جائے

اگر ہم حصولِ فضیلتِ اعتکافِ سنت کی خاطر دنیا ومافیہا سے منقطع ہوکر آستانۂ خداوندی پر جاپڑے تو حصول نوازشاتِ الٰہی ورحمتِ الٰہی کے سلسلہ میں کیا تأمل وتردد ہوسکتا ہے۔

مذکورہ بالا معروضات سے پتہ چلا کہ اعتکاف اپنی مغفرت وبخشش کرانے، خدا کو راضی کرلینے اور جنت الفردوس حاصل کرنے کا آسان اور بہترین عمل ہے، اللہ تعالیٰ مجھے بھی اور تمام مسلمانوں کو اس آسان اور بہترین عبادت پر عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائیں!

اقسامِ اعتکاف: اعتکاف کی تین قسمیں ہیں: (۱) واجب (۲) سنت (۳) مستحب۔

(۱) **اعتکاف واجب:** اگر کسی شخص نے نذر و منت مانی خواہ وہ نذرِ مطلق ہو یا مقید، اسے اعتکاف واجب کہتے ہیں، نذرِ مطلق کی مثال یہ ہے کہ بندہ کہے کہ میں حصولِ رضائے الٰہی کے خاطر ایک روز یا سہ روز کا اعتکاف کروں گا۔ اور نذرِ مقید کی مثال یہ ہے کہ بندہ کہے کے میرا فلاں کام ہوگیا تو میں اتنے دنوں کا اعتکاف کروں گا۔

(۲) **اعتکافِ سنت:** رمضان المبارک کے اخیر عشرے میں اعتکاف کرنا اعتکافِ سنت کہلاتا ہے، اور یہ اعتکاف سنتِ مؤکدہ علی الکفایۃ ہے، اگر کسی ایک شخص نے بھی اعتکاف کرلیا تو سب اہل محلہ بلکہ اہل شہر کی طرف سے کافی ہوگا، اور کسی نے بھی نہیں کیا تو سب ترکِ سنت کی وجہ سے گنہگار رہوں گے، اس کا طریقہ یہ ہے کہ بیس رمضان المبارک کو

بعداز عصر قبیل از غروب آفتاب بہ نیتِ اعتکاف مسجد میں داخل ہوجائے اور انتیس رمضان المبارک بعد از رؤیتِ ہلال یا تیس تاریخ کو بعداز غروبِ آفتاب واپس آجائے۔

(۳) اعتکاف مستحب: اس کے لئے روزہ رکھنا شرط نہیں اور نہ پورا دن شرط ہے جتنا چاہے حسب گنجائش کرسکتا ہے، اس کا طریقہ یہ ہے کہ مسجد میں داخل ہوتے وقت صرف اعتکاف کی نیت کرلے جب تک مسجد میں رہے گا اعتکاف کا ثواب ملتا رہے گا اور جب مسجد سے نکل جائیگا تو اعتکاف ختم ہوجائے گا، یہی امام محمدؒ کا قول ہے جو مفتی بہ ہے۔ (ردالمحتار: ۳/۴۳۰/۴۳۱، کتاب الصوم، باب الاعتکاف)

<u>شرائطِ اعتکاف:</u> اعتکاف کے صحیح ہونے کے لئے مسلمان اور عاقل ہونا، نیت، مرد کا جنابت اور عورت کا حیض ونفاس سے پاک ہونا، نیز ایسی مسجد میں اعتکاف کرنا جس میں پنج وقتہ نماز ادا کی جاتی ہو شرط ہے، اعتکاف واجب وسنت کے ساتھ روزہ رکھنا بھی لازم وضروری ہے۔ (بدائع الصنائع: ۳/۵، کتاب الاعتکاف)

مسائل اعتکاف:

اعتکاف عشرۂ اخیرۂ رمضان سنتِ مؤکدہ وکفایہ ہے:

(۱) مسئلہ: اعتکاف جملہ محلے والوں کیلئے سنت مؤکدہ کفایہ ہے، اگر تمام محلے والوں کی طرف سے ایک شخص بھی اعتکاف کیلئے بیٹھ جائے تو جملہ محلّہ والوں کا ذمہ فارغ ہوجائے گا' لیکن اگر پورے محلّہ میں سے کوئی ایک شخص بھی اعتکاف کیلئے نہ بیٹھے تو تمام محلّہ والے گنہگار ہونگے (فتاوی حقانیه: ۴/ ۱۹۷) قال ابن عابدینؒ: "(وسن مؤكدا) أى استينانًا مؤكدًا بمعنى انه طلب طلباً مؤكداً زيادة على بقية النوافل، و لهذا كانت السنة المؤكدة قريبة من الواجب فى لحوق الاثم. كما فى البحر. و يستوجب تاركها التضليل واللوم كما فى التحرير". (ردالمحتار ۲/ ۴۵۱ كتاب الصلوة، باب الوتر، مطلب فى السنن والنوافل) قال العلامة محمد عبد الحیؒ والصحيح الذى عليه جمهور الفقهاء هو انه سنة مؤكدة فى العشر الاواخر من رمضان على سبيل الاستيعاب كفاية على اهل كل بلدة. (حاشية الهداية مع الدراية ۱/ ۲۰۹ كتاب الصوم، باب الاعتكاف)

<u>بوقت ضرورت اعتکاف سے نکلنا:</u> (۲) مسئلہ: جان ومال یا کسی ممکنہ یقینی خطرہ کی وجہ سے اعتکاف کو چھوڑنا جائز ہے ایسی حالت میں ضرورت شدیدہ کی وجہ سے اگر معتکف باہر جائے تو اعتکاف فاسد ہوجائے گا لیکن گنہگار نہ ہوگا تاہم اگر مسجد سے انہدام کی وجہ سے یا جبراً مسجد سے نکالے جانے کی صورت میں فوراً دوسری مسجد میں داخل ہوجائے تو اعتکاف برقرار رہے گا۔ قال العلامة الحصكفیؒ: "واما مالا يغلب كإنجاء غريق وانهدام مسجد فمسقط

للإثم لاللبطلان، وإلالكان النسيان أولى بعدم الفساد كما حققه الكمال خلافا لمافصله الزيلعي وغيره". قال ابن عابدینؒ : تحت قوله: "(خلافالمافصله الزيلعي) حيث جعل الخروج لعيادة المريض والجنازة وصلوتها وإنجاء الغريق والحريق والجهاد إذا كان النفيرعاماً وأداء الشهادة مفسداً ، بخلاف خروجه إلى مسجد آخر بانهدام المسجد أوتفرق أهله لعدم صلوات الخمس فيه، وإخراج ظالم كرهاً وخوفا على نفسه اوماله من المكابرين". (ردالمحتار: ۳/۴۳۸/۴۳۹، کتاب الصوم،باب الاعتکاف، تبین الحقائق ۲/ ۲۴۸تا۲۹ باب الاعتکاف، کتاب الصوم)

<u>روزہ فاسد ہونے سے اعتکاف کاحکم:</u>

(۳) مسئلہ: اعتکافِ مسنون وواجب، دونوں کیلئے روزہ رکھنا شرط ہے اس لئے اگر کسی عذر کی وجہ سے روزہ ٹوٹ جائے تو اعتکاف بھی باقی نہیں رہتا، البتہ اگر بلاصوم اعتکاف میں بیٹھا رہا تو نفلی اعتکاف شمار ہوگا۔ لما قال العلامة الحصکیؒ: "(وشرط الصوم)لصحة (الاول) اتفاقاً (فقط) على المذهب". قال العلامة ابن عابدینؒ: "قلت ومقتضى ذالک أن الصوم شرطاً ايضاًفي الاعتكاف المسنون لإنه مقدربالعشر الأخير حتى لواعتكفه بلاصوم لمرض أوسفر، ينبغي أن لايصح عنه بل يكون نفلا فلا تحصل به اقامة سنة الكفاية". (ردالمحتار: ۳/ ۴۳۱، کتاب الصوم،باب الاعتکاف) "لما قال برهان الدين المرغینانیؒ: قال الاعتكاف مستحب والصحيح انه سنة مؤكدة لان النبي صلى الله عليه وسلم واظب عليه في العشر الاواخر من رمضان والمواظبة دليل السنة وهو اللبث في المسجد مع الصوم .... والصوم من شرطه .... ثم الصوم شرط لصحة الواجب منه رواية واحدة (اى ليس فيه (اختلاف)". (الهداية: ۱/ ۲۰۹، کتاب الصوم،باب الاعتکاف)

<u>غسلِ جمعہ وغسلِ تبرید کیلئے مسجد سے باہر نکلنا شرعاً جائز نہیں:</u> (۴) مسئلہ: معتکف کا غسلِ فرض کے علاوہ مثلاً غسل جمعہ وغسلِ تبرید (جسم کو ٹھنڈک پہونچانے کیلئے نہانا) کیلئے مسجد سے نکلنا شرعاً درست نہیں اسلئے کے غسلِ جمعہ وغسلِ تبرید ضروریاتِ طبعیہ ومامورات شرعیہ میں سے نہیں، ہاں اگر ضروریاتِ طبعیہ کے نکلنا ہو تو بعجلت (جلدی سے) غسلِ جمعہ وغسل تبرید بمطابق سنت کرلے، اورزوائد کو ترک کردے "(وحرم عليه)على المعتكف (الخروج الالحاجة الانسان طبعية كبول وغائط وغسل لواحتلم ولا يمكنه الانسان في المسجد كذافي النهر.(او) شرعية كعبد واذان لوموذنا وباب المنارة خارج المسجد". (الدرالمختار،رد المحتار: ۳/۴۳۵، کتاب الصوم،باب الاعتکاف ،الفتاوى الهندية : ۱/ ۲۱۳، کتاب الصوم ، الباب السابع في الاعتكاف)

معتکف جمعہ پڑھنے کے لئے کتنی دور تک جا سکتا ہے: (۵) مسئلہ: اگر محلے کی مسجد میں جمعہ نہ ہوتا ہو تو معتکف کے لیے شرعاً جمعہ پڑھنے کے واسطے مصر (شہر) جانے کی اجازت ہے، اگر مصر (شہر) دور ہو تو قبل از زوال اپنی مسجد سے جمعہ پڑھنے کیلئے روانہ ہو سکتا ہے، تاہم ایسے وقت پر روانہ ہونا چاہیے کہ وہاں پہونچ کر اطمینان کیساتھ سنتیں اور فرض پڑھ سکے، فرض پڑھنے کے فوراً بعد اپنی مسجد کو واپس آجائے لیکن بقیہ سنتیں پڑھنے کے لئے اگر وہیں ٹھہر جائے تو اس سے اعتکاف فاسد نہیں ہوتا۔ "ویخرج للجمعة حين تزول الشمس ان كان معتكفه قريباً من الجامع بحيث لو انتظرزوال الشمس لا تفوته الخطبة والجمعة واذا كان بحيث تفوته لم ينتظر زوال الشمس لكنه يخرج في وقت يمكنه ان يأتي الجامع فيصلي اربع ركعات قبل الاذان عند المنبر وبعد الجمعة يمكث بقدر مايصلي اربع ركعات اوستاً على حسب اختلافهم في سنة الجمعة كذا في الكافي". (الفتاوى الهندية: ۱/۲۱۲، كتاب صوم، الباب السابع في الاعتكاف)

قال العلامة طاهر ابن احمد بن عبدالرشيدؒ: "وعن محمد انه ان كان منزله بعيداً من الجامع يخرج حين ترى انه يبلغ الجامع عند النداء وان كان خروجه قبل الزوال هوا لصحيح".(خلاصة الفتاوى ۱/۲٦۷، كتاب صوم، الفصل السادس في الاعتكاف)

کیا معتکف کے لئے نماز جنازہ پڑھنا درست ہے؟: (٦) مسئلہ: معتکف کا وجوبی اور مسنون اعتکاف سے نماز جنازہ کے لئے بلاضرورت نکلنا مفسد اعتکاف ہے، البتہ اگر ابتداء میں نماز جنازہ وغیرہ کیلئے نکلنے کی شرط رکھی جائے تو اس صورت میں نماز جنازہ کا پڑھنا یا پڑھانا مفسدِ اعتکاف نہیں لیکن بغیر شرط کے نماز جنازہ پڑھنے یا پڑھانے کیلئے نکلنا فسادِ اعتکاف کا ذریعہ ضرور ہے، تاہم نفلی اعتکاف میں توسع کی بناء پر بغیر استثناء کے نکلنا مفسدِ اعتکاف نہیں۔ لماقال العلامة عالم بن العلاءؒ: "ولا يخرج لا كله وشربه ولا لعيادة المريض ولا لصلوة الجنازة ...ولو شرط وقت النذر والالتزام أن يخرج الى عيادة المريض و صلوة الجنازة وحضور مجلس العلم يجوز له ذلك ... واما في الاعتكاف النفل فلا بأس بأن يخرج بعذر او بغير عذر".

(الفتاوى التاتارخانية: ۲/۱۳۴، كتاب الصوم، الفصل الثاني عشر في الاعتكاف)

معتکف کی موت پر اعتکاف کی تکمیل کا حکم: مسئلہ (۷) اگر معتکف دورانِ اعتکاف انتقال کر جائے تو کسی اور کا اس کی جگہ اعتکاف میں بیٹھنا ضروری ہے۔ کیونکہ رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں پورے دس دن کا اعتکاف کرنا سنت ہے چند ایام اعتکاف کرنے سے سنت ادا نہیں ہوتی، موت واقع ہونے کی صورت میں معتکف نے اعتکاف پورا نہیں کیا کیوں کہ اس کا اعتکاف عشرہ تک نہ رہا، اگر اس کے علاوہ کوئی اور شخص اعتکاف پر نہ بیٹھا تو پوری بستی پر ذمہ داری باقی رہے گی۔ قال العلامة ابن عابدینؒ: قوله: "(اى سنة كفاية) نظيرها اقامة التروايح

بالجماعة، فاذا قام بها البعض سقط الطلب عن الباقين فلم يأثموا بالمواظبة على الترک بلا عذر، ولو کان سنة عين لأثموا بترک السنة المؤکدة اثما دون اثم ترک الواجب".(رد المحتار: ۳/ ۴۳۰، کتاب الصوم، باب الاعتکاف)

"قال العلامة محمد عبد اللہؒ: هو سنة مؤکدة کفاية اذا قام بها البعض سقط الاخرين.(عمدة الرعاية على هامش شرح الوقاية ۱/ ۳۲۱، کتاب الصوم، باب الاعتکاف)

<u>دوران اعتکاف عورت کا حائضہ ہوجانا:</u> مسئلہ(۸) دوران اعتکاف عورت اگر حائضہ ہوجائے تو حیض آتے ہی اعتکاف فاسد (ختم) ہوجائیگا، حیض ختم ہوتے ہی طہر کی حالت میں عورت پر ایک دن کے اعتکاف کی قضاء روزہ کیساتھ ضروری ہے۔ "اذافسد الاعتکاف الواجب وجب قضائه فان کان اعتکاف شهر بعينه اذاافطر يوماًيقضى ذلک اليوم وان کان اعتکاف شهر بغيرعينه يلزمه الاستقبال سواء افسده بصنعه من غيرعذر کالخروج والجماع ولاکل فى النهار أوبعذر کمااذامرض فاحتاج الى الخروج أوبغير صنعه کالحيض والجنون والاغماء الطويل." (الفتاوى الهندية/ ۱: ۲۱۳، کتاب الصوم، الباب السابع فى الاعتکاف، وأمامحظوراته، بدائع الصنائع: ۳/ ۳۴، کتاب الصوم، فصل فى حکمه إذا فسد، ردالمحتار۳/ ۴۳۷، کتاب الصوم، باب الأعتکاف)

<u>دوران اعتکاف اخبار ورسائل پڑھنا:</u> مسئلہ(۹) دوران اعتکاف اخبار ورسائل پڑھنا اوراسی طرح خبریں سننے کی غرض سے ریڈیو اپنے پاس رکھنا شرعاً جائز نہیں ہے۔کیونکہ اخبارات میں اکثر عریاں تصویریں ہوتی ہیں اور ویسے بھی مسجد کے اندر تصاویر اور آلات لہو ولعب لے جانا شرعاً جائز نہیں، اخبار پڑھنے اور خبریں سننے میں ضیاع وقت لازم آتا ہے، اسلئے کسی معتکف کیلئے ریڈیو سے خبریں سننا اور اخبارات دیکھنا صحیح نہیں ہے۔البتہ معتکف شخص کو دوران اعتکاف ان امور میں مشغول ہونا چاہیے جو رضائے الٰہی کا سبب بنے مثلاً قرآن کریم کی تلاوت احادیث مبارکہ اوراپنی دینی کتابوں کا مطالعہ کثرت نوافل اور ذکر الٰہی۔لما قال العلامة الحصکفى رحمه الله: "(و تکلم الا بخير) وهو مالااثم فيه، ومنه المباح عند الحاجة اليه لاعند عدمها ...(کقراۃ قرآن وحديث وعلم وتدريس فى سير الرسول عليه الصلاة والسلام وقصص الانبياء عليهم السلام وحکايات الصالحين وکتابة امور الدين". (الدر المختار)(رد المحتار: ۲/ ۴۴۱/ ۴۴۲، کتاب الصوم، باب الاعتکاف)

"ويلازم التلاوة والحديث والعلم وتدريسه وسير النبى صلى الله عليه وسلم والانبياء عليهم السلام واخبار الصالحين وکتابة امور الدين کذافى فتح القدير...."(الفتاوى الهندية: ۱/ ۲۱۲، کتاب الصوم، الباب السابع فى الاعتکاف، ومثله البحر الرائق: ۲/ ۵۳۲،

کتاب الصوم، باب الاعتکاف، کتاب الفقه علی المذاهب الاربعة: ۱/۵۱۴، کتاب الصوم، باب الاعتکاف مکروهات الاعتکاف وآدابه)

"ولایتکلم الابخیر" (مجمع البحرین وملتقی النیرین فی الفقه الحنفی: ص ۲۱۶، فصل فی الاعتکاف، مجمع الانهر فی شرح ملتقی الابحر: ۱/۳۸۰: کتاب الصوم، باب الاعتکاف)

عورتوں کا اپنے گھروں میں اعتکاف کرنا: مسئلہ(۱۰) عورتوں کا اپنے گھروں میں اعتکاف کرنا احناف کے ہاں جائز ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں، عورتیں گھر کے کسی بھی کونے میں پردہ لگا کر اعتکاف کرسکتی ہیں دوسرے یہ کہ عورتوں کا نماز کے لئے گھر کے اندر کوئی خاص جگہ مقرر کرنا ضروری نہیں، جہاں بھی ممکن ہو نماز بلا کراہت ادا کی جاسکتی ہے، تاہم جہاں تک ہوسکے پردہ میں نماز ادا کی جائے تو بہتر ہے۔ "والمرأة تعتکف فی مسجد بیتها ویشترط فی حقهاما یشترط فی حق الرجل فی المسجد". قال: "(والمرأة تعتکف فی مسجد بیتها) و هو الموضع الذی اعدته للصلوة". (ویشترط فی حقها مایشترط فی حق الرجل فی المسجد) لأن الرجل لما کان اعتکافه فی موضع صلاته وکانت صلاتها فی بیتها أفضل کان اعتکافها افضل، قال صلی الله علیه وسلم "صلاة المرأة فی مخدعها افضل من صلاتها فی مسجد بیتها، وصلاتها فی مسجد بیتها افضل من صلاتها فی صحن دارها، وصلاتها فی صحن دارها أفضل من صلاتها فی مسجد حیها، وبیوتهن خیرلهن لو کن یعلمن". (الاختیار لتعلیل المختار: ۱/۱۷۷، ۱۷۸، کتاب الصوم، باب الاعتکاف)

"وتعتکف المرأة فی مصلی بیتها والخروج ساعة لغیرضرورة مفسد". (مجمع البحرین وملتقی النیرین: ۲۱۵، کتاب الصوم، فصل فی الاعتکاف) ولما قال العلامة الحصکفیؒ: (او لبث (امرأة فی مسجد بیتها)...و لا تخرج من بیتها اذا اعتکفت فیه. (الدر المختار)

قال ابن عابدینؒ: قوله (فی مسجد بیتها) و هو المعد لصلاتها الذی یندب لها، و لکل أحد اتخاذه کمافی البزازیة. (رد المحتار: ۳/۴۲۹، کتاب الصوم، باب الاعتکاف)

معتکف کا ضرورتاً مسجد سے باہر نکلنا اور چلتے چلتے کسی سے بات کرنا: (۱۲) مسئلہ: اگر کوئی معتکف دوران اعتکاف کسی ضرورت کے تحت مسجد سے نکل کر چند باتیں کرلیں تو کوئی حرج نہیں، ہاں البتہ اگر بلاضرورت محض باتوں کے لئے ٹھر جائے تو اس صورت میں اعتکاف فاسد ہوجائے گا بہتر یہ ہے کہ بلاضرورت باتوں سے اجتناب کیا جائے۔

قال ابن نجیمؒ: "و اما التکلم بغیر خیرفانه یکره لغیرالمعتکف فما ظنک للمعتکف اهـ. وظاهره ان المراد بالخیر هنا ما لا اثم فیه فیمشل المباح وبغیره الخیر مافیه اثم، والأولیٰ تفسیره لما فیه

ثواب یعنی انه یکره للمعتکف ان یتکلم بالمباح بخلاف غیره ولهذا قالو .الکلام المباح فی المسجد مکروه یأ کل الحسنات کما تأ کل النار الحطب".

(البحر الرائق: ۵۳۱/۲، کتاب الصوم، باب الاعتکاف، دار الکتب العلمیة، بیروت)

"قال طاهر بن احمد ابن عبد الرشیدؒ: واذاخرج لبول او غائط لایمکث فی منزله بعد الفراغ من الطهور". (خلاصة الفتاوی ۲۶۷/۱، باب الإعتکاف، جنس آخر، کتاب الفقه علی المذاهب الاربعة: ۵۱۴/۱، کتاب الصوم، باب الإعتکاف، مکروهات الإعتکاف وآدابه)

بیڑی، سگریٹ پینے کیلئے مسجد سے نکلنا: (۱۳) مسئلہ: اگر ایسا شخص معتکف ہو جسے بیڑی، سگریٹ، یا حقہ پینے کی عادت ہو تو محض اسی غرض سے مسجد کے باہر جانا جائز نہیں، کیونکہ بیڑی سگریٹ اور حقہ نوشی کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو معتکف کے حوائج طبعی میں شمار ہو سکے اور یہ چیزیں معتکف کیلئے زیبا نہیں ،البتہ اگر حقہ، بیڑی، یا سگریٹ پئے بغیر گزارہ انتہائی دشوار ہو تو اس صورت میں بہتر یہ ہے کہ (قضائے حاجت) پیشاب پاخانہ کیلئے جائے تو اس کام سے بھی فارغ ہو جائے پھر مسواک سے منہ کو خوب صاف کرلے۔ لما قال العلامة الحصکفیؒ: "(الخروج الا لحاجة الانسان) طبعیة کبول و غائط وغسل لو احتلم ولا یمکنه الاغتسال فی المسجد کذا فی النهرأوشرعیة کعبد وأذان لو مؤذنا وباب المنارة خارج المسجد ...(فلو خرج) ولو ناسیا(ساعة) زمانیة لا رملیة کما مر(بلاعذرفسد)". (الدر المختار)(رد المحتار: ۴۳۵/۳/۴۳۷، کتاب الصوم، باب الاعتکاف) لماالعلامة حسن بن عماربن علی الشر نبلالیؒ. (ولا یخرج منه) من معتکفه فیشمل المرأة المعتکفة بمسجد بیتها...(الالحاجة شرعیة) کالجمعة... أو حاجة طبعیة ،کالبول والغائط وازالة نجاسة ...(فان خرج ساعة بلا علر فسدالواجب)

(حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح: ۷۰۲، کتاب الصوم، باب الاعتکاف)

قال العلامة الکاسانیؒ .فان خرج من المسجد لغیر عذر .فسد إعتکافه فی قول أبی حنیفة وان کان ساعة. (بدائع الصنائع ۲۹/۳ کتاب الاعتکاف فصل فی رکن الاعتکاف، مجمع البحرین وملتقی النیرین فی الفقه الحنفی: ۲۱۲ ۵، فصل فی الاعتکاف، مجمع الانهر فی شرح ملتقی الابحر: ۸۷۳، کتاب الصوم، باب الاعتکاف)

اخراج ریح کیلئے مسجد سے باہر نکلنا: معتکف کا اخراج ریح (ہوا خارج کرنا) کے لئے مسجد باہر نکلنا شرعاً درست ہے، اعتکاف فاسد نہیں ہوگا۔ واذا فسا فی المسجد لم یر بعضهم به باسا ، وقال بعضهم : اذا احتاج الیه یخرج منه وهو الاصح (الفتاوی الہندیہ: ۳۲۱/۵، الفصل الخامس)

آخری قسط

مولانا مختار اللہ حقانی
مفتی و مدرس جامعہ دارالعلوم حقانیہ

اعضا کی پیوند کاری اسلام کی نظر میں

مانعین پیوند کاری کے دلائل کا جائزہ

گزشتہ صفحات میں انسانی اعضاء کے پیوند کاری کے متعلق اول الذکر (عدم جواز) کی رائے اور اسکے متعلق دلائل کا ذکر کیا گیا لیکن اگر ان دلائل کو بغور دیکھا جائے تو معلوم ہو جائیگا وہ دلائل یا تو وقتی تھے یا ان کا محمل اور ہے چنانچہ

(ا) پہلی دلیل کا جائزہ: ان دلائل میں بنیادی دلیل یہ بیان کی گئی کہ انسان اپنے جسم کا مالک نہیں اس لیے وہ اس میں کوئی تصرف اور قطع برید کی اجازت نہیں دے سکتا۔

جائزہ: یہ درست ہے کہ انسان اپنے جسم کا مالک حقیقی نہیں اس کے جسم بلکہ سارے کائنات کا مالک اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے مگر اللہ تعالیٰ نے انسان کو بعض چیزوں میں تصرفات کا کچھ اختیار دیا ہے۔ جسطرح مال و جائیداد اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے مگر جس انسان کو اللہ تعالیٰ نے مال و جائیداد دی ہے تو اس کو اس مال و جائیداد میں مکمل تصرفات کا اختیار حاصل ہے، کہ وہ اپنا مال جس طرح چاہے حلال و جائز مواقع میں خرچ کرے اللہ تعالیٰ نے سورہ بقرہ کی ابتداء ہی میں فرمایا ہے والذین یومنون بالغیب ویقیمون الصلوۃ ومما رزقنھم ینفقون (الایۃ) کہ متقین وہ لوگ ہیں جو غیب پر ایمان لائیں، نماز قائم کریں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے ان سے اللہ کی راہ پر خرچ کرتے ہیں۔ اس آیت کریمہ سے ''اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ مال میں انسان کی تصرفات کو نافذ العمل قرار دینا واضح طور پر معلوم ہوتا ہے، اس طرح ذخائر فقہ میں انسان کے اپنے مال میں تصرفات کو نافذ العمل قرار دینے اور اس کو جاری رکھنے کے جواز اور حلت پر واضح تصریحات موجود ہیں تو اسی طرح اللہ تعالیٰ نے یہ جسم بھی انسان کو دیا ہے تو مال کی طرح اس کو اپنے جسم میں بھی تصرفات کرنے کی اجازت ہے، ہاں فرق اتنا ہے کہ اس شخص کو اپنے جسم میں تصرف کا اتنا اختیار حاصل ہے کہ یا تو اس تصرف سے دفع ضرر شدید مقصود ہو یا اس کو اس تصرف سے ضرر شدید نہ پہنچتا ہو اور اس کے اس تصرف سے دوسرے شدید ضرورت مند انسان کو فائدہ ملتا ہو اور اس کی زندگی بچ سکتی ہو ہم دیکھتے ہیں کہ جب کسی انسان کا کوئی عضو کینسر زدہ ہو جائے اور اس عضو کو باقی رکھنے سے دوسرے جسم کو نقصان کا قوی اندیشہ ہو تو اس نقصان سے بچنے کے لیے اس عضو کو کاٹ دیا جاتا ہے اور آج تک اہل علم نے اس پر کوئی نکیر نہیں فرمائی ہے اگر چہ اس عضو کے کاٹنے سے انسان کا ظاہر جسم مثلہ شدہ کیوں نظر نہ آنے لگے۔ جس کی نظیر آنحضرت ﷺ کے زمانے میں بھی پیش آئی تھی کتب سیر میں مذکور ہے کہ

غزوہ بدر کے موقع پر حضرت معاذ بن عفراؓ نے ابو جہل پر حملہ کر کے اس کو قتل کر دیا تو حضرت عکرمہؓ جو اس وقت مسلمان نہیں ہوئے تھے نے باپ کو قتل ہوتے دیکھ کر حضرت معاذ بن عفراءؓ پر حملہ کیا اور اس کی تلوار سے حضرت معاذ بن عفراؓ کا ہاتھ کٹ گیا مگر کچھ چمڑا باقی رہا جس کی وجہ سے حضرت معاذ بن عفراؓ کا ہاتھ لٹکتا رہا اور اس سے آپ کو جنگ کرنے میں دشواری پیش آتی تھی اس لیے انہوں نے اس ہاتھ کو اپنے پاؤں کے نیچے رکھ کر کھینچا اور اپنے تن سے ہاتھ کو جدا کر دیا، رسول اللہ ﷺ نے اس بارے میں کوئی نکیر نہیں فرمائی الخ اور اسی طرح اگر کسی مریض کو خون کی ضرورت ہے اور اس کی زندگی دوسرے انسان کے خون دینے سے بچ سکتی ہو تو تمام فقہا کرام نے اس کو جائز رکھا ہے اور آج تک اہل تحقیق نے اس کو ناجائز نہیں کہا ہے اور یہ بھی ایک قسم کا تصرف ہے، جو انسان کی من وجہ ملکیت کی دلیل ہے۔ تو گویا معلوم ہوا کہ انسان اگر چہ اپنے جسم کا مالک حقیقی تو نہیں لیکن اس کو جائز حد تک اپنے جسم میں تصرفات کی اجازت ضرور ہے۔

(۲) مانعین پیوندکاری کی دوسری دلیل کا جائزہ:

مانعین حضرات کی دوسری دلیل یہ ہے کہ انسانی اعضا کی اس پیوند کاری میں مثلے کا عنصر پایا جاتا ہے اور مثلہ شرعاً ممنوع ہے۔

جائزہ: یہ بات بھی درست ہے کہ مثلہ اسلام میں ممنوع ہے مگر فقہاء کرام نے ضرورت کے وقت اس قسم کے قطع برید کو بھی جائز قرار دیا ہے فقہاء کرام نے لکھا ہے حاملہ عورت کے پیٹ میں اگر بچہ زندہ ہو اور اس بچے کے زندہ رہنے کا بھی امکان ہو تو شرعاً یہ جائز ہے کہ اس کی ماں کا پیٹ چاک کر کے اس بچے کو نکالا جائے گا صرف یہ نہیں بلکہ ایک مالی نقصان کے لیے بھی فقہاء کرام نے مردہ شخص کے پیٹ کو چاک کرنے کی اجازت دی ہے کہ اس کے پیٹ میں موجود مال نکال کر مستحقین کے حوالے کیا جائے اسی طرح اگر کسی کے گردے میں پتھریاں ہو یا اس کے اندر یا باہر کا کوئی عضو بے کار ہو چکا ہو تو فقہا نے اس اندام کو کاٹنے کی اجازت دی ہے۔ اس لیے ضرورت شدیدہ کے وقت انسانی جسم میں جو قطع برید کی جاتی ہے وہ مثلہ کے حکم سے مستثنٰی ہے، مثلہ سے وہ قطع برید مراد ہے جو زمانہ جاہلیت میں لوگ جنگ کے دوران بلاضرورت اپنے غصہ کو ٹھنڈا کرنے کیلئے کرتے تھے۔

(۳) تیسری دلیل کا جائزہ:

عدم جواز کے قائلین کی تیسری دلیل یہ ہے کہ انسان قابل احترام ہے اسکی اہانت کی شریعت مقدسہ نے کسی بھی صورت میں اجازت نہیں دی ہے جبکہ انسانی اعضاء کی پیوند کاری کے اس عمل میں اس کی تکریم و تحریم پامال ہوتی ہے اور اس میں اس کی اہانت کا ارتکاب لازم آتا ہے۔ اس لیے فقہاء کرام کے عبارات سے اس عمل کی بھی حرمت ثابت ہوتی ہے۔

جائزہ: مگر اولاً سوچنا یہ ہے کہ کیا واقعی اس پیوند کاری سے انسان کی توہین وتحقیر ہوتی ہے یا نہیں اس سوال کے حل سے پہلے

(۱) یہ بات ذہن نشین کر لینا ضروری ہے کہ فقہاء کرام نے فرمایا ہے کہ نصوص نے جس امر کو مبہم چھوڑا ہو اور اس بارے میں کوئی قطعی فیصلہ نہ کیا ہو تو اس کی توضیح انسانی عرف وعادات سے کی جائے گی۔ چنانچہ ڈاکٹر وھبۃ الزحیلی مختلف فقہاء کرام کے نقطہ نظر پر بحث کرتے ہوئے لکھتا ہے: **قال الفقہاء ایضا کل ماورد بہ الشرع مطلقاً ولاضابطۃ لہ فیہ ولا فی اللغۃ یرجع فیہ الی العرف کاالحرز فی السرقۃ(اصول الفقہ الاسلامی جلد ۲ ص ۸۳۱)** فقہاء کرام نے یہ بھی کہا ہے کہ جو چیز شریعت میں مطلقاً وارد ہوئی ہے اور اس کیلئے شریعت میں کوئی ضابطہ ہے نہ لغت میں تو اسمیں عرف کیطرف رجوع کیا جائے گا، جیسا کہ سرقہ میں حفاظت مال کا مصداق۔

(۲) اور یہ بھی حقیقت ہے کہ عرف وعادت زمانے اور علاقے کیساتھ تبدیل ہوتے رہتے ہیں چنانچہ کبھی ایسا معاملہ بھی آجاتا ہے کہ علاقے یا وقت کی تبدیلی کی وجہ سے اس معاملے کے دو حکم ہوجاتے ہیں کبھی ایک حکم کو درست اور صحیح مانا جاتا ہے تو کبھی دوسرا حکم۔ اس لیے علامہ شاطبی رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

والمتبدلۃ منہا مایکون متبدلاً فی العادۃ من حسن الی قبح وباالعکس مثل کشف الراس فانہ یختلف بحسب البقاع فی الواقع فہو الذی المروات قبیح فی البلاد المشرقیۃ وغیر قبیح فی البلاد المغربیۃ فالحکم الشرعی یختلف باختلاف ذالک فیکون عند اہل المشرق قادحاً فی العدالۃ وعند اہل المغرب غیر قادح (الموافقات جلد نمبر ۲ ص ۲۰۹، ۲۱۰) بعض چیزیں حسن سے قبیح کی طرف مبتدل ہوتی ہیں اور بعض اس کے برعکس جیسے سر کا کھولنا مشرقی ممالک میں قبح ہے مگر مغربی ممالک میں قبیح نہیں ہے تو اس اختلاف (عرف وعادات) کیوجہ سے اس کا شرعی حکم بھی مختلف ہوجائے گا، چنانچہ اہل مشرق کے نزدیک سر کا کھلا رکھنا عدالت کے لیے نقصان دہ ہے اور اہل مغرب کے نزدیک نقصان دہ نہیں ہوگا۔ تو اہانت واکرام کے متعلق نصوص میں کوئی ٹھوس اور بے لچک حدود مقرر نہیں ہیں اور نہ لغت اس امر کا محکم ہے، اس لیے اہانت واکرام کا یہ فیصلہ عرف اور عادات پر کیا جائے گا، چنانچہ زمانہ قدیم میں اس قسم کی قطع برید کو توہین میں شمار کیا جاتا تھا، اسلیے فقہاء کرام نے انسانی اجزاء سے انتفاع کو بیشک منع کیا مگر زمانہ حال کے مطابق انسانی اعضاء کی پیوند کاری میں توہین وتحقیر کا عنصر نہیں پایا جاتا بلکہ عطیہ دینے والے کو توقیر وتعظیم کے نگاہ سے دیکھا جاتا ہے کہ اس شخص نے ایثار وقربانی دیکر ایک مضطر انسان کی جان بچائی ہے، اسلئے بڑے بڑے قائدین اور زعماء اپنے اعضاء کے سلسلے میں اس قسم کی وصیت کر جاتے ہیں اور یہ چیز ان کیلئے نیک نامی کا باعث بنتی ہے اور عام معاشرے میں انسانیت نوازی کی دلیل سمجھی جاتی ہے اور یہ بات تمام اہل علم پر عیاں ہے کہ "**لاینکر تغیر الاحکام بتغیر الازمان یعنی ان الاحکام**

التی تتغیر بتغیر الازمان ھی الاحکام المستندۃ علی العرف و العادۃ (درالاحکام ۱/ص ۴۷)اس سے کسی کو انکار نہیں کہ زمانہ کے تغیرات سے احکام تبدیل ہوجاتے یعنی جو احکام زمانے کے تغیر سے تبدیل ہوجاتے ہیں اس سے مراد وہ احکام ہیں جو عرف وعادت پرمبنی ہوں تو چونکہ زمانہ قدیم میں اس قطع وبرید کو قبیح اور برا سمجھا جاتا تھا اسلئے اس زمانہ میں فقہاء کرام نے اس عمل کو ناجائز کہا تھا۔مگر زمانے کی تبدیلی کی وجہ سے چونکہ اب ایسا کرنا توہین نہیں رہا اسلیے اب اس کا یہ حکم نہیں ہے اسلئے حضرت مفتی اعظم ہند مفتی کفایت اللہ دہلویؒ نے ایک استفتاء کے جواب میں لکھا ہے۔

الجواب: اجزاء انسانی کے استعمال کی جو صورت مستلزم اہانت ہو، وہ ناجائز ہے اور جسمیں اہانت نہ ہو تو بصورت وہ استعمال ناجائز نہیں، جیسے رسول اللہ ﷺ کے موئے مبارک کو پانی میں دھوکر وہ پانی مریض پر چھڑکا یا پلایا جاتا تھا۔(کفایت المفتی جلد نمبر۹ص ۱۴۳)

پس چونکہ موجودہ زمانے میں اجزا انسانی کی پیوندکاری کے ایسے طریقے ایجاد ہوگئے ہیں جو مستلزم اہانت نہیں اور نہ عرف میں ان کو اہانت سمجھا جاتا ہے اس لیے اصولی طور پر توہین کے قاعدے سے موجودہ پیوندکاری کو ناجائز قرار دینا محل نظر ہے۔

(۴) بعض فقہی جزئیات سے استدلال کا جائزہ:

عدم جواز کی اس رائے کو فقہ کے بعض جزئیات سے ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے جس میں اس بات کا ذکر ہے کہ مجبوری کے تحت انسانی عضو کا کاٹ کر کھانا منع ہے جو تفصیل باحوالہ گزشتہ صفحات میں ذکر ہے۔

جائزہ: لیکن اگر ان جزئیات پر غور کیا جائے تو معلوم ہوجائیگا کہ انسان کا اپنا یا کسی اور کا کوئی حصہ کاٹ کر کھالینا بسا اوقات اس کی ہلاکت یا ضرر شدیدہ کا باعث بنتا ہے۔یہ اندیشہ قوی ہے۔اس لیے علامہ ابن قدامہؒ اس منع کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے: ولنا ان اکلہ من نفسہ ربما قتلہ فیکون قاتلاً نفسہ و لا یتقین حصول البقاء باکلہ(المغنی لابن قدامۃ جلد ۹ / ۲۳۵) اور ہماری دلیل یہ ہے کہ انسان کا اپنے جسم میں سے کسی حصے کو کھالینا بسا اوقات اس کی موت کا سبب ہوگا اس طرح وہ اپنا قاتل ہوجائے گا۔جبکہ اس کے کھانے سے اس کا زندہ رہنا یقینی نہیں ہے۔تو مذکورہ جزئیات کا تعلق اس پیوندکاری اور استعمال سے ہے جو اس کی ہلاکت یا اس کے لیے ضرر شدیدہ کا باعث بنے۔البتہ پیوندکاری کی وہ صورت جس میں اس کی ہلاکت کا اندیشہ نہ ہو اور محفوظ طریقے پر اس عمل کو انجام دیا جائے اور خود وہ شخص بھی ایسا کرنے پر رضامند ہو تو مذکورہ جزئیات اس صورت پر لاگو نہیں ہوتے۔

(۵) لعن اللہ الواصلۃ کا محل:

لعن اللہ الواصلۃ الخ عدم جواز کے قائلین اس روایت کو اعضاء انسانی سے انتفاع اور انکی پیوکاری کے

عدم جواز کے لیے بنیادی طور پر پیش کرتے ہیں　مگر

جائزہ: اس کا یہ جواب دیا جاتا ہے کہ اس روایت میں اجزاء انسانی سے ایسے انتفاع کو منع کیا گیا ہے جو انسان کے لیے ضرورت کا درجہ نہ رکھتا ہو بلکہ محض تزئین و آرائش کے جذبات کی تسکین اس سے مقصود ہو۔

(۶) کسر عظم المیت الخ کا محمل: دوسری روایت جو بنیادی طور پر عدم جواز کیلئے پیش کیا جاتا ہے　کسر عظم المیت ، ککسر عظم الحی (الحدیث)

جائزہ: یہ روایات عام طور پر محمول ہیں کہ جب کوئی انسانی ضرورت اس سے متعلق نہ ہو لیکن جب ضرورت شدیدہ متعلق ہو جائے تو پھر یہ حکم نہیں رہے گا حضرات فقہاء کرام نے ہی ضرورت کے تحت اس نص کے تعمیم کو چھوڑ دیا ہے، مثلاً ذخیرہ فقہ میں یہ مسئلہ درج ہے کہ جب کوئی عورت مر جائے اور اس کے پیٹ میں بچہ حرکت کر رہا ہو اور بغیر آپریشن یعنی قطع برید کے اس بچے کی جان نہ بچ سکتی ہو تو اس صورت میں فقہاء کرام نے اجازت دی ہے کہ اس مردہ عورت کا پیٹ چاک کر کے اس جنین کو نکالا جائے۔

اس عمل کے بارے میں علامہ ابن نجیمؒ نے لکھا ہے لان ذالک سبب فی احیاء نفس محترمة بترک تعظیم المیت (بحر الرائق جلد ۸ ص ۲۵) چونکہ ایسا کرنا ایک نفس محترمہ کی حیات کا سبب ہے اگرچہ اس میں تعظیم میت کا ترک لازم ہے تو بھی کوئی حرج نہیں، اور علامہ سمرقندیؒ نے لکھا ہے: لو ان حاملاً ماتت وفی بطنها ولد یضطرب فان کان غلب الظن انه ولد حی وهو فی مدة یعیش غالباً فانه یشق بطنها لان فیه احیاء الادمی بترک تعظیم اهون من مباشرة سبب الموت (تحفة الفقهاء جلد نمبر ۳ ص ۳۴۳)

اگر کوئی حاملہ مر جائے اور اس کے پیٹ میں بچہ ہو جو حرکت کرتا ہو اور غلبہ ظن ہو کہ وہ بچہ زندہ ہے اور اتنی مدت کا ہے، جس میں عام طور پر بچہ زندہ رہ جاتا ہے، تو اس حاملہ کے پیٹ کو چاک کیا جائیگا اسلئے کہ اس میں ایک انسان کی زندگی کو بخشنا ہے اور کسی زندہ کو موت کا سبب بننے کے مقابلے میں زیادہ آسان ہے کہ آدمی کے تعظیم کے تقاضے کو چھوڑ دیا جائے، فقہاء احناف میں امام ابو جعفر طحاویؒ کے بارے میں یہ نقل ہے کہ آپ اس یسر کی وجہ سے دنیا میں تشریف لائے تھے۔

(۲)　اس طرح فقہا کرام نے یہاں تک لکھا ہے کہ اگر کسی شخص نے کسی کا موتی نگل لیا ہو اور اس کی موت واقع ہو گئی اس کا اتنا مال بھی باقی نہ ہو جس سے اس شخص کی موتی کی قیمت ادا کی جائے تو اس شخص کے مالی تحفظ کیلئے اس مردہ انسان کا پیٹ چیر کر اس شخص کا موتی نکالنا جائز ہے۔ اور اس کے علاوہ یہ روایت متکلم فیہ بھی ہے علامہ ابن حزمؒ نے لکھا ہے: وهو ضعیف جداً لایحتج به لا اختلاف فی ذالک (المحلی جلد ۱۱ ص ۴۰) یہ روایت بہت ضعیف ہے اس سے استدلال نہیں کیا جائے گا اور اس میں کوئی اختلاف نہیں۔

خلاصہ بحث:

لہٰذا دونوں طرفین کے آراء اور انکے دلائل کے پیش نظر من ناچیز کے کم فہم میں یہ بات آتی ہے کہ انسانی اعضاء کی پیوندکاری درج ذیل شرائط کے ساتھ جائز ہونی چاہیے۔

(۱) مریض کی موت یا اس کی ناکارہ عضو کے ضائع ہونے کا شدید خطرہ ہو۔

(۲) ماہر طب اس بات پر متفق ہو کہ اس ناکارہ مریض کا علاج انسانی عضو کے پیوندکاری کے بغیر ممکن نہ ہو۔

(۳) اور اس پر ان کا غالب گمان ہو کہ اس پیوندکاری سے مریض شفایاب ہو جائے گا۔

(۴) جو زندہ شخص کوئی عضو دے رہا ہو، اس کے بارے میں بھی ماہرین متفق ہوں کہ اس عضو کے نکالنے سے اس کی صحت پر شدید برا اثر نہیں پڑے گا۔

(۵) اس کے ساتھ زندہ شخص بہ طیب خاطر بلا کسی جبر و اکراہ کے بغیر کسی دنیاوی لالچ کے محض انسانی ہمدردی کی خاطر اپنا عضو عطیہ میں دے، اس لیے کہ انسان کا اپنا کوئی عضو فروخت کرنا بالاتفاق حرام ہے۔

(۶) اور جس شخص نے وصیت کی ہو، اسکا عضو اس وقت نکالا جائیگا جب اسکی موت یقینی ہو، اور اس وقت اس عضو کو کسی مریض کی اشد ضرورت ہو، ورنہ بلاضرورت کسی شخص کا عضو نکال کر بینک میں رکھنا، کہ جب ضرورت پیش آئیگی تو اس کی پیوندکاری کریں گے درست نہیں، اسلیے کہ انسانی اعضاء کی پیوندکاری کا جواز ضرورت شدیدہ کے تحت سامنے آیا ہے، اور ضرورت کے بارے میں فقہاء کرام کا یہ قاعدہ ہے" **مـا ابيـح للضرورة يتقدّر بقدرها (درر الحكام ۱/ ۳۸)** لہٰذا جب تک ضرورت پیش نہیں آئی ہے، اس وقت تک اس پر عمل نہیں کیا جا سکتا۔

(۷) اور ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ مردہ شخص کا عضو نکالنے کے لئے ورثاءِ میت راضی ہوں۔

سوال: کیا مریض کو زندگی ملنے کی خوشی میں اپنے محسن کو انعام کی رقم تحفہ یا هدیہ اپنی خوشی سے ادا کر سکتا ہے؟

جواب: گزشتہ تفصیل میں صاف طور پر ذکر کیا گیا ہے کہ رشتہ دار اور غیر رشتہ دار کا بوقت ضرورت اپنا کوئی ایسا عضو بطور عطیہ دینا جس سے مریض کو فائدہ کا ظن غالب ہو اور ساتھ اس زندہ انسان کی کوئی شدید نقصان بھی نہ ہو جائز اور مرخص ہے مگر اس کو ایک تجارتی مال سمجھ کر فروخت کرنا جائز نہیں اس لیے کہ بدن انسان مال نہیں جبکہ صحت بیع کے لیے مبیعہ کا مال ہونا ضروری ہے۔ **قال العلامة القرضاوی: ان القول بجواز التبرع بالاعضاء لايقتضی القول بجواز بيعهالان البيع كما عرفه الفقهاء مبادلة المال بالمال بالتراضی وبدن الانسان ليس بمال** (الفتاوی المعاصرة ج،۲ ص ۵۸۸)

بیشک اعضاء انسانی کی تبرع کا جواز اس کی خرید و فروخت کو جائز نہیں کرتا اس لیے کہ بیع کی تعریف فقہاء کرام کے ہاں دونوں فریقین کی رضامندی سے مال کو مال کے بدلے تبدیل کرنا ہے اور بدن انسانی مال نہیں ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص

کسی مریض کے ساتھ ایسی عظیم نیکی کرے تو بغیر کسی طے شدہ معاوضہ کے اس مریض کا بعد از صحت یابی اپنے محسن کو کچھ رقم دینے اور محسن کا اس رقم کو لینے میں کوئی حرج نہیں۔

اسلیے علامہ قرضاویؒ فرماتے ہیں: **ولکن لو بذل المتنفع بالتبرع للشخص المتبرع مبلغا من المال غیر مشروط ولا مسمیٰ من قبل علی سبیل الھبة والھدیة والمساعدة فھو جائز بل ھو محمود من مکارم الاخلاق** (فتاوی معاصرہ ۵۸۸/۲)

لیکن جس مریض کو کسی انسان کا کوئی عضو پیوند کیا گیا ہو اور وہ شخص اپنے محسن کو بغیر کسی شرط کے کچھ مال جو پہلے سے متعین نہ کیا گیا ہو بطور ھبہ، ہدیہ یا امداد دے دے تو یہ نہ صرف جائز ہے بلکہ محمود اور مکارم اخلاق میں سے ہے۔ شریعت مقدسہ میں اس کی نظیر موجود ہے اور وہ یہ کہ اگر کوئی کسی کو قرض رقم دے دے اور واپسی پر اضافہ کی شرط نہ لگائے اور قرض لینے والا جب قرض واپس کرتے وقت اصل رقم مع کچھ اضافہ کے ساتھ واپس کرے تو یہ اضافہ سود میں نہیں آتا دینے والے کے لیے بھی جائز ہے اور لینے والے کیلئے بھی۔ رسول اللہ ﷺ نے بذات خود ایسا ہی کیا تھا۔

سوال: کیا کوئی شخص بعد از مرگ پیوندکاری کے لیے اعضاء حاصل کرنے کی وصیت کرسکتا ہے؟

سوال: اور کیا بعد از مرگ پیوندکاری کے لیے اس کے اعضاء حاصل کیے جاسکتے ہیں؟

جواب: گزشتہ تفصیل میں ذکر ہو چکا ہے کہ محققین علماء امت کے ہاں ضرورت کے تحت ایک انسان کسی شدید مرض میں مبتلا شخص کیلئے اپنا کوئی عضو تبرعاً دے سکتا ہے تاکہ اسکی زندگی بچ جائے یا وہ آرام و راحت کی زندگی بسر کرے۔ زندگی میں اپنا عضو دینا محمل ضرر بھی ہے مگر موت کے بعد عضو دینے میں صرف فائدہ ہی ہے کوئی ضرر نہیں۔ تو اس طرح کوئی شخص اپنی زندگی میں کسی مریض کو اپنا عطیہ دینے کی وصیت کرسکتا ہے اور بعد از مرگ کسی کا عضو اس وقت نکالا جاسکے گا جب مردہ نے اپنی زندگی میں اس عضو کی وصیت کی ہو اور اسکے علاوہ اس شخص کے ورثاء بھی اس پر راضی ہوں ورنہ دونوں شرائط میں سے کسی ایک شرط کی عدم موجودگی کی وجہ سے اس مردے کا عضو نکالنا جائز نہیں۔

سوال: کیا اعضاء کی پیوندکاری کیلئے مذہب، قومیت وغیرہ کی پابندی لگائی جاسکتی ہے؟

جواب: جیسا کہ گزشتہ صفحات میں معلوم ہوا کہ انسانی اعضاء کی پیوندکاری دوسرے ضرورت مند انسان میں بدرجہ مجبوری جائز ہے تو وجوبی طور پر اس میں مذہب، قومیت وغیرہ کی کوئی پابندی نہیں اسلیے کہ انسانی اعضاء کفر اور اسلام کے اوصاف کیساتھ متصف نہیں ہوتے انکی حیثیت محض آلات کی ہے جس سے انسان زندگی میں اپنے لیے خدمت لیتا ہے لہذا اگر کسی کافر کا عضو کسی مسلمان کو منتقل ہوجائے تو وہ اسی کا عضو بن جاتا ہے، اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک مسلمان کسی کافر سے اسلحہ لے لے تو وہ مسلمان اس اسلحہ کے ساتھ جہاد کرسکتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اعضاء چاہے مسلمان کے ہوں یا کافر کے سب اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتے ہیں اور یہی قرآنی آیت ''**وان من شیٔ یسبح بحمدہ ولکن**

لاتفقھون تسبیحھم "(الایۃ) کہ ہر شئی اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتے ہیں لیکن تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے ہو، تو جب تمام اعضا اللہ تعالیٰ کی ثنا حمد اور تسبیح بیان کرتے ہیں تو چاہے وہ کافر کے ہوں یا مسلمان کے ان میں کوئی فرق نہیں۔ ہمارے قدیم فقہا کرام نے ایک کافرہ عورت کا دودھ ایک مسلمان بچے کیلئے حلال کیا ہے علامہ سرخسیؒ لکھتے ہیں:

ولا باس بان یستاجر المسلم الظئر الکافرۃ والتی قد ولدت من الفجور لان خبث الکفر اعتقادھا دون لبنھا والانبیاء علیھم السلام والرسل صلوات اللہ علیھم فیھم من ارضع بلبن الکوافر کذالک فجورھا لا یوثر فی لبنھا(المبسوط للسرخی ۱۰ / ۱۲۷)

اس میں کوئی حرج نہیں کہ ایک مسلمان کسی کافرہ عورت کو اپنے بچہ کے لیے مرضعہ کے طور پر اجرت پر رکھے یا کسی فاجرہ عورت کو، اسلیئے کہ کفر کی خباثت اسکے اعتقاد میں ہوتی ہے اس کے دودھ میں نہیں، اسلیے ایک طویل بحث کے بعد بہت سے انبیاء کرام اور پیغمبروں نے کافرہ عورتوں کا دودھ پیا ہے۔ اسی طرح فاجرہ کے فسق وفجور کا اثر بھی اس کے دودھ میں نہیں ہے۔ اس لیے علامہ یوسف قرضاوی نے لکھا ہے لھذا لایوجد حرج شرعی من انتفاع المسلم بعضو من جسد غیر المسلم"(فتاوی معاصر ۲۰ / ۵۹۳) اسلیے کسی مسلمان کا غیر مسلم کے عضو سے انتفاع میں شرعاً کوئی حرج نہیں۔ تاہم بہتر یہ ہے کہ ایک مسلمان شخص کے بدن میں کسی دوسرے مسلمان کی عضو کی پیوندکاری کی جائے اسلیے بعض فقہاء کرام کافرہ کے دودھ کو ارضاع کیلئے مکروہ کہا ہے۔ چنانچہ علامہ ابن الرشد قرطبیؒ نے لکھا ہے:

وتکرہ ظئورۃ مثل الیھودیات والنصرانیات لما یخشی من ان تطعمھم الحرام وتسقیھم الخمر وقال ابن حبیب عن مالک فاذا امن ذالک فلاباس بہ(مقدمات لابن رشد ۲ / ۷۱)

کہ یہودی اور نصرانی عورت کا دودھ مکروہ ہے اسلیے کہ اسمیں اس بات کا اندیشہ ہے کہ وہ ان مسلمان بچوں کو حرام غذا کھلائیں گی یا شراب پلائیں گی ابن حبیب نے امام مالکؒ سے نقل کیا ہے کہ جب اس بات کا اندیشہ نہ ہو تو پھر اسمیں کوئی حرج نہیں۔ اسلیے اعضاء کی اس پیوندکاری میں مذہب، قومیت وغیرہ کی کوئی پابندی نہیں اگر چہ بہتر یہ ہے کہ ایک مسلمان میں دوسرے مسلمان کا عضو پیوند کیا جائے لیکن ضرورت کے تحت اس تمیز کی بھی ضرورت نہیں۔

ھذا ماظھر لی واللہ اعلم بالصواب

(مولانا مفتی) مختار اللہ حقانی

دارالافتاء جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک (۷/مئی ۲۰۰۸)

احوال وسوانح اور مکاتیب

مولانا عرفان الحق اظہار حقانی
استاذ جامعہ دارالعلوم حقانیہ

شیخ الحدیث حضرت مولانا جلال الخالقؒ
سابق استاذ جامعہ دارالعلوم حقانیہ

مادر علمی جامعہ حقانیہ میں ابتداء سے معقولات پر خصوصی توجہ دی گئی۔ خود اس کے بانی جدی المکرم شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ معقولات کے بہت بڑے ماہر تھے۔ دارالعلوم دیوبند میں درس حدیث کے علاوہ معقولات کے اعلیٰ کتابوں کا درس دیتے رہے اسی بناء پر دارالعلوم حقانیہ کے قیام کیساتھ ہی یہاں معقولات کے اعلیٰ کتب کی پڑھائی کیلئے ماہر اساتذہ کا تقرر وقتاً فوقتاً فرماتے رہے، انہی اساطین علم میں حضرت مولانا جلال الخالقؒ کی شخصیت بھی ہے موصوف گزشتہ دنوں 13 رجون 2008ء کو انتقال فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون. چونکہ آپ دارالعلوم کے ابتدائی دور میں استاذ رہے اسلئے موجودہ کئی شیوخ مدرسین آپ کے زمرہ تلامذہ میں شامل ہیں۔ تدریسی سلسلہ کٹ جانے کے باوجود حقانیہ سے اپنا ربط وتعلق اور محبت کا رشتہ مرتے دم تک نبھایا۔ آپکی وفات سے علم وعمل اور تصوف کا وہ چراغ بجھ گیا جو چھ عشروں تک علمی ایوانوں میں روشنی بکھیرتا رہا۔ موصوف نام ونمود اور نمائش سے کوسوں دور اور کفاف حیات پر قانع وصابر رہنے والی شخصیت کے حامل تھے، فقر وسادگی کی ایسی تصویر کہ ہر حرکت سے سادگی اور بے نفسی ٹپکتی تھی۔ علمی تعمق و پختگی بے مثال تھی۔ معقولات کے علاوہ زندگی کا ایک بڑا حصہ حدیث کے درس میں بھی گزرا۔ احقر اور خانوادہ حقانی کے کسی بھی فرد سے ملتے تو بے لوث پیار ومحبت اور انتہائی عقیدت کا اظہار فرماتے۔ دارالعلوم میں آپکی مغفرت کیلئے مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ کی زیر صدارت اجتماعی فاتحہ خوانی کی گئی۔ دارالعلوم اور ادارہ الحق کیلئے آپکی وفات بالخصوص موجب غم ورنج وافسوس ہے۔ حق تعالیٰ موصوف کو درجات عالیہ عطا فرماوے اور انکے متعلقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

۲۰۰۲ء میں آلائی کے ایک سفر کے دوران احقر نے ان کے ہاں حاضری کے وقت ''تذکرہ اساتذہ حقانیہ ''(احوال وسوانح) کے لئے ایک سوالنامہ دیا۔ جس کی روشنی میں انہوں نے اپنا سوانحی خاکہ کچھ یوں بیان کیا۔

نام ونسب: حضرت مولانا جلال الخالق بن مولانا عبدالرؤف بن مولانا گل احمدؒ نسبی تعلق خلجی خاندان سے ہے۔

پیدائش: 1920ء کو آلائی کے قریب موضع ہوتل بتکول میں پیدا ہوئے۔

شکل وشباہت: آپکی شکل وشباہت کا نقشہ کچھ یوں تھا، خوبصورت وجیہہ کتابی چہرہ، کشادہ پیشانی، بڑی بڑی آنکھیں، سرخ رنگی ہوئی گھنی داڑھی، سفید گندمی مائل رنگت، لمبا بھاری بھرکم جسم وزادہ بسطۃ فی العلم والجسم کے مصداق۔

ابتدائی تعلیم اور اساتذہ: ابتدائی تعلیم گاؤں میں اپنے دادا مولانا گل احمدؒ سے جو مولانا قاسم نانوتویؒ کے شاگرد اور بزرگ عالم دین تھے حاصل کی۔ تیرہ برس کی عمر میں اپنے بڑے بھائی مولانا سیف الرحمٰنؒ کے ہمراہ آگرہ ہندوستان جانا ہوا جہاں ان سے کافیہ تک کی کتابیں پڑھیں۔ بعد میں جامعہ اشرفیہ راندھیر میں داخلہ لیا اور وہاں نحو' صرف' فقہ اور اصول کی کتابیں پڑھیں۔ پھر جامعہ محمدیہ میں داخل درس ہوئے' وہاں مولانا عبدالرحیمؒ مصنف ''فتاویٰ رحیمیہ'' سے دو برس کے دوران مفصل' جواہر البلاغہ' تاریخ الامم وغیرہ کی کتابیں پڑھیں۔ اسکے بعد جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں داخلہ لیا' وہاں مختصر المعانی اور دیگر کتب مولانا بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنیؒ سے پڑھنے کی سعادت نصیب ہوئی۔

تفسیر قرآن: دورہ تفسیر قرآن کی سعادت حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ سے حاصل ہوئی۔

اعلیٰ تعلیم: اعلیٰ تعلیم کیلئے دہلی میں مدرسہ صدیقیہ کا رُخ کیا' جہاں توضیح تلویح' ہدایہ آخرین' مسلم الثبوت' شرح العقائد' شرح چغمینی اور تصریح وغیرہ کتب مولانا محمد حسینؒ' مولانا ادریسؒ اور مولانا سمیع اللہؒ سے پڑھیں جبکہ فتح پور میں مولانا ابراہیم بلیاویؒ سے صدرا اور معقولات کی دیگر کتب میں استفادہ کیا۔

فراغت: جامعہ صدیقیہ میں شیخ الحدیث مولانا محمد صدیقؒ سے جو انوار المحمود شرح ابوداؤد کے مصنف ہیں' دورہ حدیث شریف کی تکمیل کی۔

بیعت وارشاد: حضرت مولانا الیاسؒ سے بیعت ہوئے۔

وطن واپسی: فراغت کے بعد ۱۹۴۷ء میں تقسیم ہند کے دوران پاکستان آنا ہوا۔

تدریسی خدمات: پاکستان آکر بہانہ ماڑی پشاور کے مدرسہ رفیع الاسلام میں تین سال تک پڑھایا۔ اس کے بعد اپنے ہی گاؤں بنکول ہوتل میں پانچ سال تک تدریس کی۔ پھر چارسدہ کے مضافات میں موضع محمد زئی میں مصروف تدریس ہوئے۔

دارالعلوم حقانیہ میں تقرری: بعد ازاں مولانا ایوب جان بنوریؒ اور بعض شاگردوں کے اصرار پر جامعہ حقانیہ کے مہتمم شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحبؒ سے تدریس کی بات ہوئی۔ (اسی حوالے کے ایک دو قدیم مکاتیب آگے پیش کئے جائیں گے) جو حضرت نے قبول فرمائی اور یوں حضرت کے زیر شفقت چار سال حقانیہ میں پڑھائی کا موقع ملا۔ یہاں مُلا جلال صدرا' میرزا قطبی' مولوی میرزاہد' امور عامہ' قاضی' جلالین وغیرہ کتب زیر درس رہیں۔
دارالعلوم حقانیہ میں آپ کا تقرر ۱۵ رشوال ۱۳۷۴ھ کو بعوض ۵۵ روپیہ مشاہرہ ہوا۔ درمیان میں چند ایک مہینے کیلئے بعض عوارض کی بناء پر اپنے گاؤں میں رہ کر تدریسی عمل جاری رکھا۔ بانی دارالعلومؒ کے اصرار پر دوبارہ تقرر ۱۸ ذی الحجہ ۱۳۷۶ھ کو بعوض ۷۰ روپیہ ہوا۔ صفر ۱۳۷۹ھ کو دارالعلوم حقانیہ سے علیحدگی اختیار کی۔ اسوقت آپ کا مشاہرہ ۸۴ روپیہ تھا۔ اسکے بعد دیگر کئی مدارس میں جن میں نصرۃ العلوم گوجرانوالہ' تعلیم القرآن پنڈی اور مخزن العلوم کراچی خاص طور پر

شامل ہیں تدریس کرتے رہے۔

دار العلوم تعلیم القرآن کا قیام: ۱۹۸۴ء میں اپنے گاؤں میں دینی مدرسہ تعلیم القرآن قائم کیا اور مرتے دم تک اس میں علمی مشغلہ جاری رکھا۔ وفات کے وقت بخاری جلد اول اور بیضاوی شریف پڑھانے کا معمول تھا۔ اس مدرسہ میں ۱۰۰ اطلباء زیر تعلیم ہیں۔

تصانیف: سلم اور شرح جامی کے علاوہ دیگر درس نظامی کے کتب کی شروحات زیر طبع ہیں۔

بانی دار العلومؒ اور حقانیہ سے متعلق رائے: شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ کے متعلق کچھ کہنے کیلئے وہ الفاظ نہیں، حضرت اعلیٰ صفات کے حامل ایک مجسمہ اخلاق تھے، علم وعرفان کے بے کنار سمندر اور تدریس میں بے مثل تھے۔ قرآن وحدیث کے ماہر نکتہ دان اور مدرسہ کے امور کو انتہائی خوش اسلوبی سے چلانے کیلئے منفرد تجربہ رکھتے تھے، سیاست میں لاثانی تھے، اساتذہ کے ساتھ محبت اور طلبہ پر شفقت انکا طرۂ امتیاز تھا، یہی وجہ ہے کہ اللہ نے ان کی مسند کا پاس رکھتے ہوئے، ان کو مولانا سمیع الحق کی صورت میں ایک اچھا جانشین اور مولانا انوار الحق، مولانا اظہار الحق، مولانا عرفان الحق جیسے وارثان علم عطا کئے۔ حقانیہ کے بارے میں کچھ کہنا سورج کے سامنے چراغ دکھانا ہے، جب بانی اخلاص وللہیت کے نکتہ انتہاء پر ہو تو اس کا بنایا ہوا دینی ادارہ کیونکر ترقی کے منازل طے نہیں کرے گا۔ جامعہ میں ہر سال طلبہ کا بے انتہا ہجوم اس کی مقبولیت اور کامیابی کی دلیل ہے۔ ع آفتاب است دلیل آفتاب

اولاد: چھ بیٹے اور دو بیٹیاں ہیں۔ بڑا بیٹا شیخ الحدیث مولانا عون الخالق تعلیم القرآن پنڈی میں شیخ الحدیث ہے، مولانا فرید الدین بٹگرام کے مدرسہ کوثر القرآن میں مدرس اور مولانا رشید الدین اپنے ہی گاؤں بتکول ہوتل میں والد کے قائم کردہ مدرسہ میں پڑھاتے ہیں۔ تین بیٹے ظہیر الدین، اسیر الدین اور فوز الخالق بیرون ملک رزق حلال کی طلب میں مصروف ہیں۔

زیارت حرمین شریفین: تین مرتبہ عمرہ جبکہ ایک مرتبہ حج بیت اللہ کی سعادت حاصل ہوئی ہے۔

وفات: بروز جمعہ بوقت مغرب ۱۳ رجون ۲۰۰۸ء کو اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔ آپ کی نماز جنازہ اگلے دن ۱۴ رجون ۲۰۰۸ء کو تعلیم القرآن راولپنڈی کے مہتمم مولانا اشرف علی فرزند مولانا غلام اللہ خانؒ نے پڑھائی۔

مشاہیر تلامذہ: اپنے طویل تدریسی زندگی میں آپ نے سینکڑوں ایسے طلباء کو پڑھایا جو آگے چل کر علم وعمل کے مینار ثابت ہوئے۔ ایسے لوگوں کی فہرست تو طویل ہے تاہم حقانیہ میں آپ کے مشاہیر تلامذہ میں موجودہ مہتمم شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق دامت برکاتہم، شیخ التفسیر حضرت مولانا عبدالحلیم دیروی دامت برکاتہم اور حضرت مولانا انوار الحق دامت برکاتہم نمایاں ہیں۔

مکتوبات مولانا جلال الخالقؒ بنام شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحقؒ

دارالعلوم میں تدریسی خواہش پر مبنی مکتوب:

ازطرف جلال الخالق۔ مورخہ ۳۰رشعبان ۱۳۶۹ھ

بحضور فیض گنجور حضرت شیخ الحدیث صاحب' صدرالمدرسین مدرسہ حقانیہ دام اقبالکم۔

بعدازالسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ' عرض بلب آدب بمنشرر ای مبارک اینکہ جنابا! امسال میں بھانہ ماڑی مدرسہ رفیع الاسلام میں مدرس تھا اور بندہ نے آپکو سال کے ابتداء میں بذریعہ فاضل حقانیہ مولانا فضل حق تدریس کیلئے عرض کیا تھا لیکن کوئی جواب نہ ملا' اب دوبارہ آپکی خدمت میں بلب آدب عرض کرتا ہوں کہ اگر آئندہ سال گنجائش ہو تو بندہ کو اطلاع فرماویں۔ بہت مہربانی ہوگی۔ فقط وعلیکم باالمرفئۃ والاحسان ان اللہ لا یضیع اجرا المحسنین

مولانا محمد ایوب جان بنوریؒ کا سفارشی خط:

۴رجولائی ۱۹۵۱ء بگرامی خدمت جناب مولانا صاحب دام مجدکم !السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! امید ہے جناب والا خیروعافیت سے ہوں گے۔ گزارش یہ ہے کہ مولوی جلال الخالق صاحب جوکہ مستنداور قابل مدرس ہیں' ان کے متعلق میں نے پہلے بھی عرض کیا تھا' قابل طلباء بھی ساتھ ہیں اگر مدرس کی ضرورت ہو تو ان شاء اللہ یہ اپنا کام بخوبی انجام دیں گے۔ شاید تیس روپیہ تک مشاہرہ پر اکتفا کرسکیں گے۔ احقر محمد ایوب بنوری

دارالعلوم سے جدائی پر عذر و معذرت اور جید اساتذہ کی وفات پر تعزیت

۲۱رذیقعدہ بروز جمعرات ۱۳۷۶ھ۔ بخدمت جناب محترم المقام واجب الاحترام حضرۃ مولانا مولوی مہتمم صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ بعدازسلام مسنونہ عرض ہے کہ بندہ نے ایک دفعہ پہلے معافی کی درخواست پیش کی تھی' لیکن بندہ تا حال تحریر جواب سے محروم رہا' اگرچہ بندہ کو یقین تھا کہ آپ نے معافی منظور فرمائی ہوگی لیکن ثانیاً پھر درخواست پیش کی جاتی ہے کہ آپ براہ مہربانی للہ بندہ کو معاف فرماویں' اور ایسا معاف فرماویں جیسا کہ رسول اللہ ﷺ وحضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت عائشہؓ پر بہتان لگانے والوں کو معاف فرمایا تھا' اور ایسی معافی فرماویں جیسا کہ اللہ تعالیٰ جابجا فرماتے ہیں ان اللہ غفور رحیم ۔ دیگر یہ کہ صدر صاحب (مولانا عبدالغفورؒ)اور مولانا محمد شفیق صاحبؒ کی وفات سے خبر ہوکر کے نہایت ہی دلی صدمہ پہنچا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون ۔اللہ تعالیٰ دونوں حضرات کی مغفرت فرماکر اعلیٰ علیین میں جگہ نصیب فرماویں۔ امین ثم امین۔ عالم کی بنی زوال پر ہے' جیسے کہ متنبی نے ایک مقام پر کہا ہے.

لوفکر العاشق فی منتھیٰ حسن الذی یسبیہ لم یسبہٗ

لم یُر قرن الشمس فی شرقه   فشكت الانفس فی غربه

دارالعلوم کی حالت بھی روانہ فرماویں اور کوئی جدید مدرس رکھا ہے یا نہیں؟ سمیع الحق صاحب کو سلام و دعا قبول ہو۔ گھر کی بیماری کی حالت کیا ہے؟ آخر میں پھر عرض ہے کہ بندہ ناچیز کا عذر قبول فرمائیں ان العذر عند کرام الناس مقبول اس پر بندہ نہایت ہی شاکر' ممنون اور دعاگو ہوگا' آج کل میرے زیر درس کتب یہ ہیں' جلالین شریف' مشکوٰۃ شریف' بیضاوی' حمد اللہ' صدرا' قطبی' توضیح تلویح' کافیہ۔ میری طرف سے دارالعلوم کے مدرسین وارکین وناظمین خصوصاً مفتی صاحب (مفتی محمد یوسف بونیریؒ) کو سلام قبول ہو۔   عریضہ جلال الخالق

قومی ضروریات اور عوارض کی وجہ سے علیحدگی:

بحضور جناب اقدس مہتمم صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ بعد سلام مسنونہ عرض ہے کہ میں نے اس سے قبل ایک خط ارسال کیا تھا شاید آپ کو مل گیا ہوگا۔ دوسری بات یہ ہے کہ علاقہ میں بہت اہم ضروریات اور بعض عوارض کی وجہ سے میرا آنا مشکل ہے' تاہم اگر آپ کا نوازش نامہ دارالعلوم کی از حد ضرورت پر بندہ کی خدمات کیلئے آیا تو میں مجبور ہو کر ان شاء اللہ تعالیٰ آؤں گا۔ اگرچہ قوم مجھے نہیں چھوڑتی ہے' مگر پھر بھی ہمارا کام دینی علوم کو پھیلانا ہے۔ اس کیلئے سب کچھ کر گزرنے کیلئے تیار ہوں۔ آخر میں مفتی صاحب اور محمد علی مولوی صاحب کو السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

بندہ جلال الخالق

معارفِ بہلویؒ مکمل چار جلدیں

تالیف: قطب الارشاد حضرت مولانا محمد عبداللہ بہلوی قدس سرہٗ شجاع آبادی

بحث و تحقیق' سیرت و تفسیر' سلوک و احسان اور تصوف و تکشف کے حقائق و معارف پر مشتمل نادر و نایاب رسائل کا حسین گلدستہ' مدیر بینات حضرت اقدس مولانا سعید احمد جلال پوری مدظلہ کی نئی ترتیب و تسہیل کے بعد نہایت خوبصورت کمپیوٹر کمپوزنگ اور چار رنگا حسین ٹائٹل کے ساتھ چھپ کر منظر عام پر آ چکی ہے' جس کا ایک ایک حرف عطر تصوف اور مولف موصوف کی تحقیقی زندگی کا نچوڑ!

ہر رسالہ الگ ٹائٹل اور تخریج و تسہیل سے آراستہ

مکتبہ لدھیانوی

۱۸ اسلام کتب مارکیٹ، بنوری ٹاؤن کراچی

علماء، اربابِ تحقیق اور سالکین طریقت کے لئے ایک نعمت غیر مترقبہ

بذریعہ ڈاک منگوانے والے حضرات صرف 650 روپے پیشگی منی آرڈر روانہ فرمائیں

سید بلال عبدالحئی حسنی ندوی

وقت کا احساس

قصہ مشہور ہے کہ ایک شخص کو کہیں سے ایک قیمتی موتی ہاتھ آگیا' وہ جوہری کے پاس گیا تو اس نے کہا کہ اس کی اصل قیمت تو اس وقت ملے گی جب اس میں سوراخ کردیا جائے لیکن یہ نازک کام ہے اور اس کی بڑی اجرت دینی پڑتی ہے وہ شخص موتی کی قیمت پہچان چکا تھا' اجرت دینے پر تیار ہوگیا' جوہری کو اپنے گھر لایا باتوں باتوں میں اس سے پوچھا کہ تمہیں گانا بھی آتا ہے جوہری نے کہا ہاں' اس نے کہا سناؤ اس نے گانا شروع کردیا اور اسی میں شام ہوگئی جوہری نے کہا کہ ہماری اجرت دو وقت پورا ہوگیا' اس نے کہا اجرت کیسی ابھی تو تم نے موتی چھوا بھی نہیں' اس نے کہا کہ قیمت وقت کی ہوتی ہے اور وقت میں دے چکا' اب اس کی قیمت تمہیں ادا کرنی ہوگی' چاروناچار یہ بھگتان اس کو بھگتنا پڑا' موتی کی قیمت کا اندازہ تو اس نے کرلیا تھا لیکن وقت کی قیمت کا احساس اس کو نہیں تھا۔

آج ہمارا سب سے بڑا روگ یہی ہے کہ ہمیں وقت کی قیمت کا احساس نہیں' دنیا جس برق رفتاری کے ساتھ آگے بڑھ رہی ہے اس کا تصور بھی پہلے ممکن نہ تھا' لیکن موجود وسائل نے سب کچھ کر دکھایا ہے' افسوس کی بات یہ ہے کہ ان وسائل کا استعمال وہ لوگ کر رہے ہیں جو دنیا کو تباہی کے دہانے پر کھڑا کردینا چاہتے ہیں' اور جس امت کو دنیا کی قیادت کے لئے پیدا کیا گیا تھا آج وہ خالی ہاتھ ہے۔ ع یک لحظہ غافل بودم وصد سالہ راہم دور شد

یہ سچ ہے کہ بعض مرتبہ لمحات کی غلطی سے انسان صدیوں پیچھے چلا جاتا ہے' عقلمند وہ ہے جو ماضی سے سبق لے اور پورے عزم وحوصلہ کے ساتھ مستقبل کا سفر جاری رکھے' ایک ایک لمحہ کا حساب لے اور وقت کو قیمتی سے قیمتی تر بنانے کی کوشش کرے۔ ؎ صورت شمشیر ہے دست قضا میں وہ قوم لیتی ہے جو ہر نفس اپنے عمل کا حساب

اللہ تعالیٰ نے سورۃ العصر میں عمومی طور پر انسانوں کے خسارہ کا تذکرہ فرمایا ہے اور زمانے کی قسم کھا کر فرمایا ہے جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ زمانہ جو انسان کو ملا یہ اس کے لئے ایک عظیم تر چیز ہے' اس کا صحیح استعمال کرنے والے کہیں سے کہیں پہونچ جاتے ہیں اور جو اس سے غافل رہتے ہیں وہ اپنا کس قدر نقصان کرتے ہیں۔

سب سے زیادہ جس قوم کو اس کا احساس ہونا چاہیے وہ قوم مسلم ہے لیکن سماج کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ شاید مسلمانوں میں اس کا سب سے کم احساس ہے' دوسری قومیں اپنے اپنے مقاصد کے حصول میں جان وتن سے لگی ہوئی ہیں' ان کے مقاصد کچھ بھی ہوں لیکن مسلمان جن کے سامنے ایک عظیم مقصد ہے ان کو یہ خیال نہیں ہوتا کہ وقت گزرتا چلا جارہا ہے لیکن کوئی صالح تبدیلی پیدا نہیں ہوتی' حالات بہتر ہونے کے بجائے بگڑتے جاتے ہیں۔

یہ ایک عمومی جائزہ ہے اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس شب تیرہ وتار میں جا بجا چراغ بھی جل رہے ہیں لیکن اس تاریک ماحول کیلئے

وہ کافی نہیں' اس لو کو تیز کرنے کی ضرورت ہے' جب کہ دوسری طرف ان چراغوں کو بجھانے کیلئے ہواؤں کے تھپیڑے ہیں۔

ایمان کی ان شمعوں کو روشن کرنے کیلئے اور اس کی روشنی کو تیز کرنے کیلئے اور مزید ان شمعوں کو جلانے کیلئے بڑے پیمانے پر تیل بتی کی ضرورت ہے' یہ نور و ظلمت کی کشمکش ہے ظلمت پوری طرح ڈیرے ڈالنے کی تیاری میں ہے' ایسی صورت میں ایمان رکھنے والے ایک ایک فرد کی ذمہ داری ہے اجتماعی طور پر بھی اور انفرادی طور پر بھی کہ وہ وقت کی قیمت کو پہچانے اور ایک لمحہ بھی ضائع ہونے سے بچانے کی کوشش کرے' جو صلاحتیں اللہ کی دی ہوئی ہیں اس میں وہ صحیح رخ پر لگ جائیں گی تو ایمان کی لو میں تیزی آئے گی اور ظلمتوں سے مقابلہ اتنا ہی آسان ہوتا چلا جائے گا۔

وقت کی قدر دانی کا ایک عمومی فائدہ ہے' انفرادی طور پر اگر غور کیا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ ایک [illegible] کے لئے وقت کی کیا قیمت ہے اور کس طرح اس کو ضائع کیا جارہا ہے' ذہنوں میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ اگر اس وقت یہ کام [illegible] کیا ہے آگے اور بھی وقت ہے' لیکن خیال نہیں ہوتا کہ دونوں اوقات الگ الگ ہیں اور دونوں کی اپنی جگہ قیمت ہے' جو وقت [illegible] گیا وہ ہاتھ نہیں آتا' اگر اس کو ضائع کیا گیا تو وہ ہاتھ سے گیا' لاکھ جتن کر لئے جائیں گیا وقت ہاتھ نہیں آسکتا' اسی لئے اسلام کی خوبی یہ بیان کی گئی ہے کہ مسلمان بے سود اور لایعنی چیزوں کو ہاتھ نہیں لگائے' اس لئے کہ اس کو وقت کی قیمت بتائی گئی ہے اور اس کو قیمتی بتانے کے ذرائع بھی بتائے گئے ہیں۔

یہ اپنی جگہ ایک حقیقت ہے کہ قریب تر ہونے کے باوجود انسان اس کو محسوس کرسکتا ہے لیکن اسکا مشاہدہ [illegible] کرسکتا' اس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ وقت کو صحیح نہیں گزار پاتا ہے بلکہ خود وقت اسکو گزار دیتا ہے اور عام طور پر انسان اسمیں دھوکہ کھا جاتا ہے' دن کے چوبیس گھنٹے دینے کے بعد دن بھر میں کیا ملا' جیسا کہ ایک تاجر حساب لگاتا ہے کہ اصل پونجی لگانے کے بعد اسکو کیا ملا' یہی حساب وقت کے بارے میں لگایا جاتا ہے تو آدمی اس میں دھوکہ کھاتا ہے' شیطان اس طرح سے لگاتا ہے اسکو احساس نہیں ہو پاتا اسلیئے ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: نعمتان مغبون فیھما کثیر من الناس ' الصحة والفراغ " دو نعمتیں ایسی ہیں جس میں عام طور پر لوگ غبن کا شکار ہو جاتے ہیں' ایک صحت دوسرے فراغت' انسان اگر وقت کی تنظیم نہیں کرتا تو وہ اس کو ادھر ادھر کے کاموں میں مشغول کر دیتا ہے اور اسکو مفید کاموں کے لئے فرصت نہیں ملتی' اس کیلئے بڑی توجہ اور بیدار مغزی کی ضرورت ہے' ورنہ یہ کائی کی طرح ہے ذرا بھی دھیان ہٹا اور پاؤں پھسلا' اسی طرح یہ صحت بھی اللہ کی بڑی نعمت ہے' اگر انسان نے سوچا کہ ابھی تو صحت ہے آگے کام پورا کر لیا جائے گا تو یہی دھوکہ ہے' اول تو زندگی کا کیا بھروسہ' پھر صحت ابھی ہے تھوڑی دیر کے بعد کیا ہونے والا ہے سوائے علیم و خبیر کے کون جان سکتا ہے' بلاشبہ یہ بہت غور کرنے کے چیز ہے' اللہ تعالیٰ نے کیا نعمت عطا فرمائی اور کس طرح اس کو ضائع کیا جارہا ہے' اسکی مثال چیک یا ڈرافٹ سے دی جاسکتی ہے' اگر اسکو کیش نہ کرایا جائے اور تاریخ نکل جائے تو اس کی حیثیت ردی کے کاغذ کی ہے اگر اسکی قیمت کا احساس پیدا ہو جائے تو انفرادی طور پر بھی اس کا زیادہ سے زیادہ نفع حاصل ہوسکتا ہے' اور اجتماعی طور پر پوری ملت اس سے فائدہ اٹھا سکتی ہے' لیکن یہ راہ اسی کیلئے ہے جو غور و فکر کی صلاحیت رکھتا ہے۔

ابن فضل حقانی *

روشن خیالی یا احساس کمتری

اسلام میں قیامت تک پیدا ہونے والے ہر مسئلے کا تسلی بخش حل موجود ہے۔ دور حاضر کے مسائل کا حل بھی ہمیں انہی اصولوں پر ملے گا جو چودہ سو سال پہلے ہادی عالم ﷺ لے کر تشریف لائے۔ لیکن افسوس کہ ہمارے روشن خیال طبقے نے جدید تقاضے کا نعرہ لگا کر مغرب کو معیار حق سمجھ رکھا ہے۔

آپ ایک مرتبہ ہمت کر کے تقلید مغرب کا پردہ اٹھائیں گے تو پوری خود اعتمادی کے ساتھ مسائل کو حل کرنے کا موقع ملے گا۔ آپ کو وہ راستے نظر آئیں گے جو عصر حاضر کے تمام تقاضوں سے ہم آہنگ ہوں گے۔

ہمارا قانون دان جب قانون وضع کرتا ہے تو اسے ہمیشہ یہ خوف دامن گیر رہتا ہے کہ کہیں مغرب رجعت پسندی' تو ہم پرستی کا طعنہ نہ دے دے۔ بس یہی خوف ہے جو آپ کو اسلامی ہدایات پر سنجیدگی کے ساتھ غور کرنے نہیں دیتا اور آپ فقط انہی باتوں کو''اسلام'' ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں جنہیں مغرب کی طرف سے روشن خیالی کا خطاب ملا ہو۔

آپ نے دیکھا کہ مغرب نے اپنی بینکاری کا سارا نظام سود پر قائم کیا ہے بس یہ دیکھ کر آپ نے اپنی تمام تر توانیاں اس بات پر صرف کردی کہ کسی طرح سود کو حلال قرار دیا جائے۔ لیکن اس بات پر کبھی غور نہیں کیا کہ بینکاری چلانے کے لئے کیا صرف سود ہی ضروری ہے؟ اسے مضاربت کے اصولوں پر کیوں نہیں چلایا جاسکتا۔ آپ نے پوری ملت اسلامیہ کی مخالفت مول لے کر سود مفرد اور سود مرکب کا فرق تو نکال لیا مگر بلاسود بینکاری کے وہ اصول دریافت نہیں کیئے جن سے تقسیم دولت زیادہ منصفانہ طریقے سے عمل میں آسکتی ہے۔

آپ نے دیکھا کہ انشورنس مغربی تہذیب کی علامت سمجھی جاتی ہے آپ نے اسے اسلام کے مطابق ثابت کرنے کے لئے تاویلات تو شروع کردی لیکن آپ نے کبھی نہیں سوچا کہ اس مروجہ انشورنس میں تھوڑی سی تبدیلی کرنے سے نہ صرف وہ اسلامی اصولوں کے مطابق ہوسکتا ہے بلکہ زیادہ مفید ثابت ہوسکتا ہے۔

آپ نے دیکھا کہ مغرب خاندانی منصوبہ بندی پر زور دیتا ہے تو آپ نے اس کی بھی اشاعت شروع کردی جو نصوص

---

* تخصص فی الفقہ والافتاء جامعہ حقانیہ

مخالف نظر آئیں اپنا سارا زور ان کی تاویلات پر خرچ تو کیا لیکن یہ کبھی نہیں سوچا کہ ''چین'' اپنی ستر کروڑ آبادی کے ساتھ کیسے شاہراہ ترقی پر گامزن ہے؟ آپ نے نومولود بچے کے منہ کی طرف دیکھا تو پریشان ہو گئے کہ اس کے لئے غذا کہاں سے آئے گی؟ مگر اس کے ہاتھوں کی طرف نہیں دیکھا کہ جن کی اہمیت کے پیش نظر اسرائیل مسلسل تکثیر آبادی پر عمل پیرا ہے اور اسی تکثیر کی بدولت ویت نام نے امریکہ کی ناک میں دم کر رکھا ہے۔

آپ نے دیکھا کہ تعدداز دواج مغرب میں ممنوع ہے۔ تو اس داغ کو دامن سے صاف کرنے کے لئے یہ معذرت کرلی کہ اسلام میں اس کی صرف ایمرجنسی میں اجازت ہے اس مقصد کے لئے قرآن میں کھینچ تاؤ کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ لیکن یہ کبھی نہیں سوچا کہ مغرب کو تعدداز دواج کی ضرورت کیوں نہیں ہوتی ۔ جہاں پر ہوٹل' ہر نائٹ کلب اور ہر پارک میں تعدداز دواج پر عمل ہو رہا ہے' وہاں دوسری شادی کی کیا ضرورت ہے؟

آپ نے دیکھا کہ مغرب پردے کو معیوب گردانتا ہے تو آپ نے اپنی تمام تر صلاحیتیں صرف کر کے اجماع سے ثابت احکام میں رد و بدل کی لیکن کبھی نہیں سوچا کہ مغرب بے پردگی کے سبب اخلاقی تباہی کے کس دہانے پر پہنچ چکا ہے۔

یہ تو چند مثالیں تھیں آپ اگر صرف انہیں پر حقیقت پسندی کے ساتھ غور کریں تو لازماً اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ یہ روشن خیالی نہیں بلکہ احساس کمتری ہے۔

اس احساس کمتری کی دیگر وجوہات کے ساتھ ساتھ سب سے بڑی وجہ اسلامی تعلیمات سے دوری ہے اور دوسری وجہ علمائے وقت کا اپنے مشاغل صرف مسجد و مدرسہ تک محدود کرنا ہے۔ تو ضرورت اس امر کی ہے کہ اسلامی تعلیمات سے آشنائی حاصل کی جائے اور علمائے وقت نہ صرف کسی جدید نظام کی مخالفت کریں بلکہ اس کا متبادل بھی شریعت کی رو سے واضح کریں۔ یقیناً علماء اس پر قادر ہیں' کیونکہ اسلام عین فطرت ہے اس میں قیامت کی صبح تک پیش آنے والے تمام مسائل کا حل موجود ہے۔ تو ضرورت ہے علماء کی بڑھتی ہوئی تعداد میں' ایسی جماعت کی جو قانون ساز اداروں کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لے۔ بس تھوڑی ہمت کی ضرورت ہے۔ بقول شاعر ؂

ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

خط و کتابت کرتے وقت اپنے خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیجئے۔

ای میل ایڈریس: editor_alhaq@yahoo.com

جناب شفیق الدین فاروقی

دار العلوم کے شب و روز

<u>حضرت مولانا عبدالمعید باچا صاحبؒ بام خیل کا سانحہ ارتحال:</u> گزشتہ ۲۷ رجون کو دار العلوم حقانیہ کے انتہائی مخلص مشہور علمی اور روحانی خانوادے کے چشم و چراغ درویش صفت اور فقیر منش شخصیت حضرت مولانا عبدالمعید باچا صاحب بام خیل ضلع صوابی انتقال فرماگئے۔ اس سے پہلے آپکے بھائی حضرت مولانا عبدالمتین باچا صاحب گزشتہ سال انتقال کرگئے تھے' ان دونوں کا آپس میں تعلق و ربط انتہائی قابل رشک تھا' اکثر ایک ساتھ بیٹھتے اور نماز کیلئے اکٹھے مسجد کو تشریف لے جاتے' اور آپسمیں علمی گفتگو میں مصروف رہتے' اسی طرح انکے صاحبزادوں کے درمیان بھی یہی تعلق قائم رہا۔ اکثر لوگ ان پر سگے بھائیوں کا گمان کرتے۔ مرحوم کا سانحہ ارتحال اس دور قحط الرجال میں بہت بڑا خسارہ ہے۔ آپکی وفات سے علمی اور روحانی دنیا میں جو خلاء پیدا ہوا ہے اس کا پُر ہونا بظاہر ناممکن نظر آرہا ہے' مرحوم نے اپنی حیات مستعار کا اکثر حصہ حرمین شریفین میں گزارا۔ زندگی کے آخری ایام میں جب آپکی صحت جواب دے گئی اور چلنے پھرنے سے معذور ہوگئے تب آپ وطن تشریف لائے اور یہاں پر جان جانِ آفرین کے سپرد کردی۔ آپ گونا گوں صفات حمیدہ کے مالک تھے' سادگی کا مرقع اور تکلف و تصنع سے کوسوں دور۔ آپکے صاحبزادہ جناب مولانا عبدالحی باچا صاحب جو کہ آجکل رابطہ عالم اسلامی میں اعلیٰ آفیسر ہیں اور اسی طرح آپکے بھتیجے جناب مولانا عبدالحی باچا صاحب ڈسٹرکٹ خطیب ضلع صوابی' جناب حکیم مولانا عبدالمغنی باچا صاحب اور اسی طرح حکیم مولانا عبدالبر باچا صاحب' یہ تمام حضرات دار العلوم حقانیہ کے فضلاء ہیں' حضرت شیخ الحدیثؒ اور حضرت مہتمم صاحب مدظلہ اور دار العلوم حقانیہ کیساتھ اس عظیم خانوادے کا دیرینہ تعلق اور رشتہ رہا ہے۔ آپکے جنازہ اور تعزیت میں حضرت مولانا انوار الحق صاحب' نائب مہتمم دار العلوم حقانیہ اور دیگر اساتذہ اور طلبہ نے شرکت کی۔ ادارہ مرحوم کے تمام پسماندگان بالخصوص مولانا عبدالحی باچا صاحب حقانی و مولانا عبدالحیٔ باچا صاحب حقانی کیساتھ اس عظیم سانحہ پر تعزیت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جوار رحمت میں مقام ارفع عطا فرمائے اور تمام پسماندگان کو صبر جمیل اور اجر جزیل سے نوازے۔

<u>دار العلوم کے مخلصین کی وفیات:</u> جامعہ مخزن العلوم بنارس کراچی کے مہتمم شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی مظفر الدین صاحبؒ سرپرست جمعیت علماء اسلام گزشتہ ہفتے طویل علالت کے بعد انتقال فرماگئے۔ آپ مولانا ڈاکٹر قاسم محمود کے والد محترم تھے۔ کراچی میں جمعیت کے لئے آن کی خدمات کسی سے ڈھکی چھپی نہیں۔ حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ نے انکی وفات کو علمی اور جمعیت کے حلقوں کیلئے ایک بڑا حادثہ قرار دیا ہے۔ اسی طرح گزشتہ دنوں جمعیت کے ضلع مانسہرہ کے اہم رہنما مولانا نور محمد سعید خواجگان بھی وفات پاگئے۔ مرحوم کی جمعیت کیلئے خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ اسی طرح جمعیت بلوچستان کے سرکردہ رہنما عبدالقیوم مرزئی قلعہ سیف اللہ کی والدہ محترمہ بھی گزشتہ دنوں انتقال فرماگئیں۔ مرحومہ زاہدہ' عابدہ خاتون تھیں۔ ادارہ ان تمام حضرات کے پسماندگان سے دلی تعزیت کرتا ہے۔

دارالعلوم کے نئے تعلیمی سال ۳۰۔۱۴۲۹ھ ۰۹۔۲۰۰۸ء کے داخلوں کا شیڈول

درس نظامی

درجات	ایام	تاریخ
تمام درجات کے قدیم طلباء (اعدادیہ تا دورہ حدیث)	پیر	۱۳ ر اکتوبر ۲۰۰۸ء ۱۱ شوال
" " "	منگل	۱۴ ر اکتوبر ۲۰۰۸ء ۱۲ شوال
جدید دورہ حدیث	بدھ	۱۵ ر اکتوبر ۲۰۰۸ء ۱۳ شوال
دورہ حدیث' اعدادیہ' متوسطہ' اولی	جمعرات	۱۶ ر اکتوبر ۲۰۰۸ء ۱۴ شوال
تعطیل	جمعہ	۱۷ ر اکتوبر ۲۰۰۸ء ۱۵ شوال
ثالثہ۔ ثانیہ۔ دورہ حدیث	ہفتہ	۱۸ ر اکتوبر ۲۰۰۸ء ۱۶ شوال
موقوف علیہ۔ دورہ حدیث	اتوار	۱۹ ر اکتوبر ۲۰۰۸ء ۱۷ شوال
دورہ حدیث۔ تکمیل۔ سادسہ	پیر	۲۰ ر اکتوبر ۲۰۰۸ء ۱۸ شوال
دورہ حدیث۔ خامسہ	منگل	۲۱ ر اکتوبر ۲۰۰۸ء ۱۹ شوال
دورہ حدیث / رابعہ	بدھ	۲۲ ر اکتوبر ۲۰۰۸ء **افتتاح** ۲۲ شوال

شعبہ حفظ

درجہ حفظ میں داخلہ کے خواہشمند طلباء کی درخواستیں ۱۵ رمضان سے ۱۰ شوال تک دفتر اہتمام میں جمع کی جائیں گی۔ حفظ کے خواہشمند طلباء ٹیسٹ اور انٹرویو وغیرہ کیلئے ۱۴۔۱۵ ر اکتوبر بروز ہفتہ' اتوار صبح 9:00 کو دارالعلوم حقانیہ بلائیں گے۔ صرف وہ امیدوار درخواست دیں جو قرآن ناظرہ سے پڑھ چکے ہوں۔ عمر ۱۳ سال سے متجاوز نہ ہو۔ دو پارے پہلے سے یاد کرنے والوں کو ترجیح دی جائے گی۔

درجہ تخصص فی الفقہ الاسلامی والافتاء و تخصص فی الحدیث

درجہ تخصص فی الفقہ الاسلامی والافتا و تخصص فی الحدیث کیلئے درخواستیں ۱۳' تا ۱۸ اکتوبر ۲۰۰۸ وصول کی جائیں گی۔ امتحانی ٹیسٹ ۱۸ ر اکتوبر بروز اتوار ۱۶ ر شوال صبح 10 بجے ہوگا۔ جن میں دارالعلوم حقانیہ کے فضلاء اور وفاق کے امتحان میں کم از کم جید جداً حیثیت حاصل کرنے والوں کو ترجیح دی جائیگی۔ نیز اردو' عربی زبانوں پر بھی مکمل عبور حاصل ہو۔

نوٹ: ۱ (ا) تخصص فی الفقہ الاسلامی والافتاء کا دورانیہ 2 سال ہوگا۔

نوٹ: ۲ امسال درجہ اعدادیہ سے لیکر بشمول درجہ سادسہ اسباق اردو میں بھی پڑھائے جائیں گے۔ لہذا اردو زبان سمجھنے والے طلباء کرام داخلہ لے سکتے ہیں۔ درجہ متوسطہ میں وہ طلباء داخلہ لینگے جو کہ ساتویں جماعت پاس ہو۔

نوٹ: ۳ حسب سابق دارالعلوم حقانیہ کے کتب میں داخل شدہ طلباء میں جو طلباء قراۃ والتجوید میں داخلہ لیں گے' مقررہ اوقات میں قراۃ و تجوید پڑھایا جائے گا اور آخر میں کامیاب طلباء کو سند دی جائے گی۔

(دارالعلوم حقانیہ کے نئے تعلیمی سال کا باضابطہ آغاز ان شاء اللہ ۲۲ ر اکتوبر ۲۰۰۸ء بروز بدھ ہوگا)

از حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ

تعارف تبصرہ کتب

کتاب: اسلام کا نظامِ سیاست وحکومت تالیف: مولانا عبدالباقی حقانی

مترجم: مولانا سید الامین انور حقانی ومولانا شکیل احمد حقانی ضخامت: جلد اول (۷۱۶) جلد دوم (۸۳۲)

قیمت: درج نہیں۔ ناشر: القاسم اکیڈمی جامعہ ابوہریرۃ خالق آباد نوشہرہ

الحمدلحضرۃ الجلالۃ والصلوۃ والسلام علی خاتم الرسالۃ. اما بعد:

اسلام ایک مکمل اور کامل ضابطہ حیات ہے اس میں دنیا اور آخرت کی نجات اور فلاح موجود ہے۔ اسلام دنیا وآخرت کے معاملات کے ہر پہلو پر ہماری رہنمائی کرتا ہے اور زندگی کے کسی بھی زاویہ کو تشنہ نہیں چھوڑا جس میں اسلام کا کوئی ضابطہ یا اصول نہ ہو کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"ان الدین عنداللہ الإسلام " یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ اور مختار دین اسلام ہی ہے"

دین کا انحصار اسلام میں کیا گیا ہے جیسا کہ اس جملہ کی ترکیب سے معلوم ہو رہا ہے دوسری جگہ ارشاد ہے:

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الإسلام دینا

"حضور ﷺ خاتم النبیین اور اللہ کے آخری پیغمبر ہیں آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی یا رسول نہیں آ سکتا۔

جیسا کہ ارشاد ربانی ہے: **ماکان محمدابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ و خاتم النبیین**

"جب آپ اللہ کے آخری نبی مبعوث کئے گئے اور ان کا دین اسلام ہے تو اس سے یہ بات مترشح ہوتی ہے کہ جس طرح قیامت تک کوئی پیغمبر نہیں آ سکتا اسی طرح کوئی اور دین بھی نہیں آ سکتا۔ اب اگر دین قیامت تک آنے والے مسائل کا حل پیش نہ کر سکے تو پھر اسلام اور اسلامی نظام کے مخالفین کا یہ دعویٰ درست ثابت ہوگا اور ان کا یہ اعتراض صحیح تصور کیا جائے گا کہ اسلام انسانی مسائل کا حل پیش نہیں کر سکتا اور اسلام زمانے کے احوال وظروف کے مطابق نہیں حالانکہ یہ اعتراض سراسر جہالت، لاعلمی اور کج فہمی پر مبنی ہے۔ اسلام میں ہمارے تمام مسائل اور مشکلات کا حل موجود ہے۔

انسان کے جتنے بھی مجموعی مسائل ہیں یا انفرادی ان تمام میں اسلام کا ایک فریم ورک موجود ہے، سیاسیات ہوں یا اقتصادیات معاشی مسائل ہوں یا امور مملکت، فرد کے انفرادی مسائل ہوں یا اجتماعی ومعاشرتی۔

الغرض زندگی کے ہر میدان میں اسلام ہمیں رہنما اصول فراہم کرتا ہے جس کی روشنی میں ہم اپنی زندگی بہترین انداز میں گذار سکتے ہیں اور اسلام کی موجودگی میں دوسرے کسی نظام یا ازم کی ضرورت نہیں اسلام کا دامن بہت وسیع اور کشادہ ہے اس کی موجودگی میں نہ کمیونزم کی ضرورت ہے نہ سوشلزم یا کیپٹل ازم کی جو شخص اپنے آپ کو مسلمان کہلاتا ہے اور پھر بھی اپنے معاشی مسائل کا حل ان خود ساختہ نظاموں میں تلاش کرتا ہے تو وہ شخص کج فہمی ہے۔

بقول علامہ اقبالؒ : ۔ تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا ورنہ گلشن میں علاج تنگیٔ داماں بھی ہے

کسی حکومت یا ریاست کے لئے جو اہم شعبہ جات درکار ہیں اور اس کے لئے جس طریق کار کی ضرورت ہے اسلام کے دائرہ کے اندر اس کے لئے اصول وضوابط موجود ہیں کسی ملک کا دفاعی نظام عدالتی نظام اقتصادی نظام دیگر انتظامی امور یا دفتری معاملات اور اس طرح ریاست کے دوسرے امور اسلام کی روشنی میں ان کا جو تصور ہے وہ دوسرے نظاموں میں موجود نہیں اور اسلام نے اس کے لئے جو شفاف ترین طریقہ وضع کیا ہے وہ دوسرے کسی بھی نظام میں موجود نہیں۔

زیر تبصرہ کتاب میں ہمارے فاضل محترم حضرت مولانا عبدالباقی حقانی زیدہ مجدہ نے ہزارہا صفحات اور سینکڑوں کتابوں کا نچوڑ اور عصیر پیش کیا ہے۔اور میرے خیال میں پشتو زبان میں (یہ کتاب اصالۃً پشتو زبان میں لکھی گئی ہے) اس موضوع پر اتنا جامع کام نہیں کیا گیا ہے اور اس کتاب میں فاضل محترم نے جن موضوعات کو مطرح فکر اور مطمح نظر بنایا ہے وہ انتہائی اہم ہے۔یعنی شرعی سیاست اور حکومت وادارہ کے متعلق جتنے بھی محتومات ہیں ان پر قرآن و حدیث آثار صحابہ کرامؓ سے استدلال کیا گیا ہے۔اسی طرح اس زیر بحث کتاب میں اسلامی سیاست کی اہمیت اسلامی حکومت کی تاسیس کی ضرورت اور جو حضرات اس حکومت کے مسؤلین اور کار پردازان ہیں انکی صفات متعین کی گئی ہیں اور ان کیلئے اصول وضوابط متعین کئے گئے ہیں۔یعنی اسلام نے ان کیلئے جو اصول متعین کئے ہیں وہ بیان کئے گئے ہیں تو جو لوگ حکومت یا ریاست کے کسی بھی ادارے سے تعلق رکھتے ہیں ان کیلئے اس کتاب کا مطالعہ انتہائی ضروری ہے۔

یہ اشاعت کتاب کا دوسرا ایڈیشن ہے جس میں فاضل مرتب نے دو چند اور سہ چند اضافہ کیا ہے جس کی وجہ سے یہ کتاب اپنے موضوع اور اپنے عنوان کے حوالے سے ایک عظیم دائرۃ المعارف اور انسائیکلوپیڈیا کی حیثیت اختیار کر گئی ہے۔فاضل محترم مولانا عبدالباقی حقانی کی یہ کوشش اور محنت انتہائی قابل قدر ہے کہ موضوع کے متعلق کسی بھی حوالہ کو نہیں چھوڑا اور سینکڑوں معتبر کتابوں کے حوالہ جات سے کتاب کو مزید محقق اور موفق کیا ہے۔اور اس کے ساتھ متقدمین ومتاخرین اکابر علماء کے اقوال اور آراء اس انداز میں جمع کئے ہیں جس سے ایک خوبصورت اور ایک جامع مرقع سامنے آیا ہے۔ ع این کار از تو آید و مردان چنین کنند

میرے دل میں مدتوں یہ آرزو اور یہ تمنا انگڑائی لیتی رہی کہ اس موضوع پر ٹھوس جامع اور مضبوط کام ہونا چاہیے اور ایسا تحقیقی مواد جمع ہونا چاہیے جس سے مخالفین اور معترضین کے بیہودہ سوالات اور دور از کار اعتراضات کا ازالہ

ہو سکے کیونکہ وہ لوگ پروپیگنڈہ کرتے ہیں کہ اسلام میں مسائل کا حل موجود نہیں اور اسلام ریاست کا کام نہیں چلا سکتا۔ان کے نزدیک اسلام صرف چند عبادات کے مجموعے کا نام ہے اور ذات کی اخلاقی اصلاح و تربیت کر سکتا ہے۔ باقی ریاست اور سیاست سے اس کا کوئی تعلق اور رشتہ نہیں۔الحمدللہ آج میری آرزو اور میری تمنا جامعہ حقانیہ کے فاضل اور قابل فخر فرزند مولانا عبدالباقی حقانی نے پوری کر دی۔

این سعادت بزور بازو نیست　　تانہ بخشد خدائے بخشندہ

اللہ تعالیٰ نے ان کو تنہا ایسے عظیم کام کی توفیق بخشی جو مستقل ادارے اور ایک اکیڈمی کا کام تھا۔اس ضخیم کتاب میں معترضین اور مخالفین کے اس اعتراض کا ایک ٹھوس اور مسکت جواب موجود ہے۔چونکہ فاضل مولف خود بھی طالبان دور حکومت میں افغانستان میں اہم ریاستی اور حکومتی مناصب پر فائز رہ چکے ہیں تو انہوں نے اپنے تجربے کی روشنی میں یہ کتاب مرتب کی ہے اور عملی طور پر درپیش مشکلات کا مداوا بھی پیش کیا ہے۔خوشی کی بات یہ ہے کہ اس اہم اور ضخیم کتاب کا اردو میں بھی ترجمہ کیا گیا ہے۔پہلے حصے کے ترجمہ کی سعادت جامعہ حقانیہ کے فاضل سید الامین انور حقانی کے حصہ میں آئی' جبکہ دوسرے حصے کے ترجمہ کا شرف بھی حقانی فاضل مولانا شکیل احمد کو ملا۔اللہ تعالیٰ ان فضلاء کے علم و عمل اور عمر میں برکت دے کہ ان کی توجہ اس اہم اور مہتم بالشان امر کی طرف مبذول ہوئی۔

اسی طرح ضرورت ہے کہ اس کتاب کا انگریزی' فارسی اور عربی زبانوں میں ترجمہ کرایا جائے تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ اس سے مستفید اور جدید تعلیم یافتہ طبقہ بھی اس سے مستفیض ہو سکے۔

میں آخر میں اپنے برادر محترم اور قابل قدر فاضل مولانا عبدالباقی حقانی زید مجدہ کو دل کی گہرائیوں سے مبارکباد پیش کرتا ہوں' جنہوں نے وقت کی اہم ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے یہ عظیم کتاب مرتب کی اور اس پر مستزاد شکریہ اللہ جل شانہ کے اس انعام پر کہ یہ توفیق حقانیہ کے ایک فرزند کے حصہ میں آئی۔اس سے پہلے فاضل محترم نے ''حفظ الاسرار بتعلیم سید الابرار ﷺ'' کے عنوان پر وقت کے اہم اور حساس موضوع ''تحفظ راز'' کے متعلق کتاب ترتیب دی ہے جس کی افادیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ایک سال کے مختصر عرصہ میں اس کے چار ایڈیشن نکلے یہ کتاب بھی دراصل پشتو زبان میں ہے۔اب اس کا اردو ترجمہ شائع ہوا ہے۔

ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ فاضل محترم مولانا عبدالباقی کو مزید توفیق سے نوازے کہ وقتاً فوقتاً اس قسم کے قیمتی موتیوں سے علمی دنیا کے دامن بھرتا رہے۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وآلہ وصحبہ اجمعین

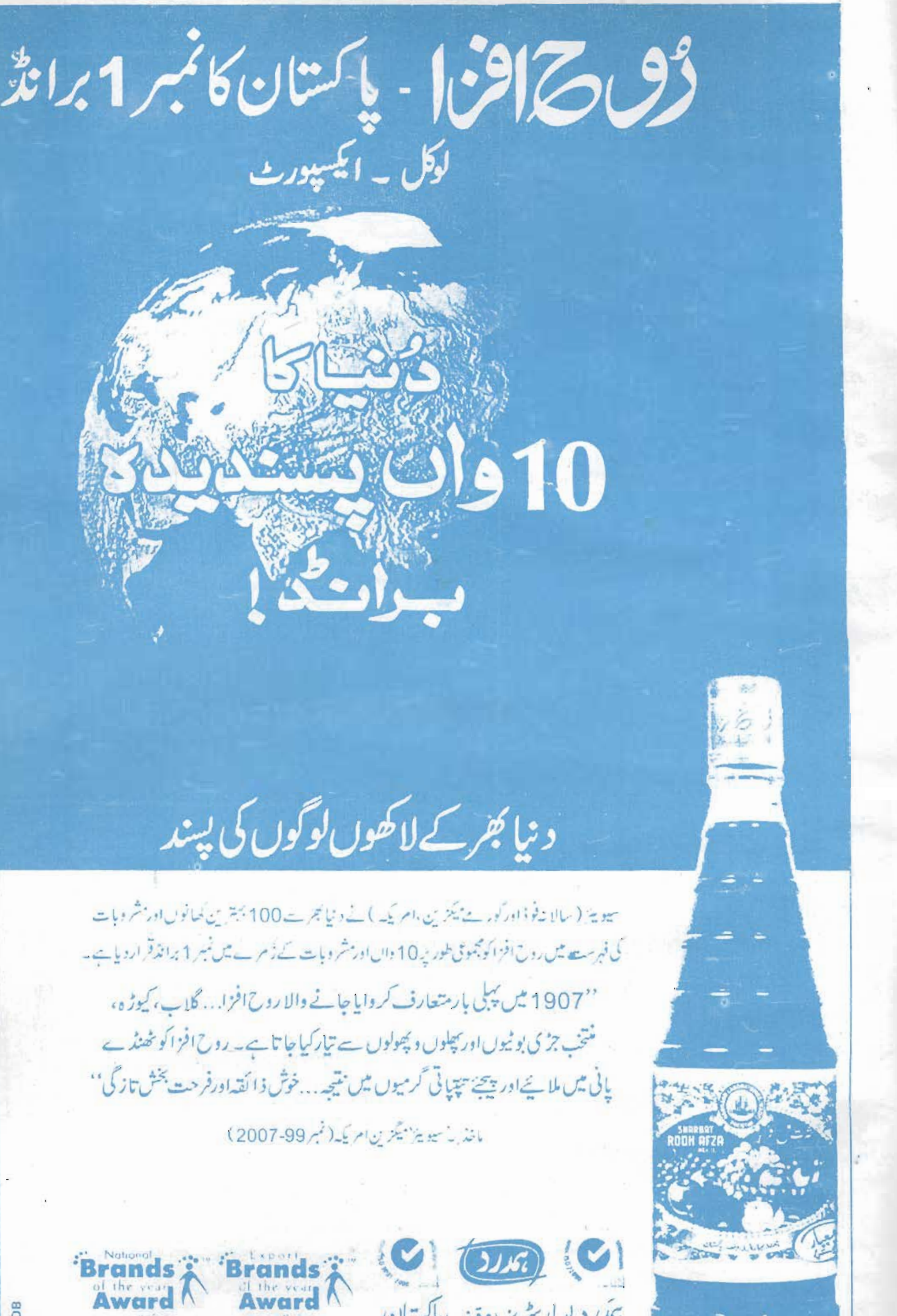
روح افزا - پاکستان کا نمبر 1 برانڈ
لوکل - ایکسپورٹ
دُنیا کا
10 واں پسندیدہ
برانڈ!
دنیا بھر کے لاکھوں لوگوں کی پسند
سیویز (سالانہ فوڈ اور گورمے میگزین، امریکہ) نے دنیا بھر سے 100 بہترین کھانوں اور مشروبات کی فہرست میں روح افزا کو مجموعی طور پر 10 واں اور مشروبات کے زمرے میں نمبر 1 برانڈ قرار دیا ہے۔
''1907 میں پہلی بار متعارف کروایا جانے والا روح افزا... گلاب، کیوڑہ، منتخب جڑی بوٹیوں اور پھلوں و پھولوں سے تیار کیا جاتا ہے۔ روح افزا کو ٹھنڈے پانی میں ملائیے اور پیجئے تپتی گرمیوں میں نتیجہ... خوش ذائقہ اور فرحت بخش تازگی''
ماخذ: سیویز میگزین امریکہ (نمبر 99-2007)
SHARBAT ROOH AFZA
National Brands of the year Award
Export Brands of the year Award
ہمدرد
ہمدرد لیباریٹریز (وقف) پاکستان
ISO 9001: 2000 & ISO 22000: 2005 CERTIFIED
Tel: (009221) 6616001-4, Email: hamdard@khi.paknet.com.pk, www.hamdard.com.pk
Blitz DDB

Regd No P-90 Monthly "Al-Haq" Akora Khattak

رمضان المبارک کی مناسبت سے معاونین جامعہ دارالعلوم حقانیہ سے ایک ضروری

اپیل

محترم! دارالعلوم حقانیہ کی علمی، ملی و دینی ہمہ گیر خدمات سے بحمدللہ آپ بخوبی واقف ہیں اور موجودہ پُرفتن دور میں ایسے مرکز علوم رسالت کی اہمیت وضرورت بھی آپ پر مخفی نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے دعوت وتبلیغ، تعلیم وتدریس، اصلاح وارشاد اور جہاد کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس کی ذمہ داری ملک وبیرون ملک فضلائے حقانیہ نے نہ سنبھالی ہو۔ صرف ایک جہاد افغانستان کو لیجئے تو دارالعلوم کے ہزاروں فضلاء اور طلباً نے اس صدی کے عظیم جہاد میں قائدانہ کردار ادا کیا جو تمام معاونین کے لئے تاقیامت صدقہ جاریہ بن رہا ہے۔

جامعہ حقانیہ اپنے تمام ترقی پذیر شعبوں میں خطیر مصارف (جو کہ تعمیراتی اخراجات کے علاوہ سالانہ واجبی مصارف دو کروڑ سے متجاوز ہیں) کا محتاج ہے جبکہ دارالعلوم حکومتوں کے تعاون سے بھی بالکل بے نیاز ہے اور نہ ہی اس کے باضابطہ مستقل سفراء ہیں، صرف اور صرف آپ جیسے حساس دردمند اہل خیر معاونین کے مالی تعاون سے یہ سارا کارخانہ علوم نبوت چل رہا ہے۔ جس میں ڈھائی ہزار تک طلباً علوم نبویہ سے ہر سال مستفید ہوتے ہیں۔ ایسے نازک وقت میں آپکی توجہات کی مزید شدت سے ہمیں ضرورت ہے کہ خود اور اپنے زیر اثر حلقہ احباب و اہل خیر میں بھی دارالعلوم کے مالی تعاون کیلئے سعی فرمائیں اور اللہ کے دین کے فروغ اور حق کی بالادستی کے لئے کوشاں اس ادارہ کی پہلے سے بڑھ چڑھ کر ہر ممکن تعاون اور سرپرستی سے ممنون فرمائیں۔ **واجرکم علی اللہ۔**

ترسیل زر کا پتہ

(مولانا) سمیع الحق

مہتمم دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع نوشہرہ

اکاؤنٹ نمبرز: ☆ یونائیٹڈ بینک لمیٹڈ اکوڑہ خٹک 7-0001-100 برانچ کوڈ 0288

☆ نیشنل بینک آف پاکستان اکوڑہ خٹک 5 - 17 ☆ مسلم کمرشل بینک جہانگیرہ 6 - 1102

☆ یو بی ایل نوشہرہ فارن کرنسی اکاؤنٹ نمبر 1180024-2 ای میل editor_alhaq@yahoo.com